21

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

2 جون 2004ء — 13 ربیع الثانی 1425ھ

www.tanzeem.org

استعماریت کا مقصد

استعماریت خواہ قدیم ہو یا جدید، اس کا بنیادی مقصد کمزور اقوام کا استحصال ہے۔ زمانہ قدیم میں بادشاہوں کی ہوسِ اقتدار کو پورا کرنے کے لئے ان کی افواج اپنے ملک سے نکل کر ارد گرد کے ممالک کو تاخت و تاراج کرتیں اور ان کے وسائل لوٹ کر اپنے حاکموں کے خزانے بھرتیں۔ جدید دور میں بھی استعماریت کے پس پردہ محرکات وہی ہیں تاہم ان کے لئے کئی اخلاقی، معاشی اور ثقافتی جواز تراش لئے گئے ہیں۔ جب تک نو آبادیاتی نظام دنیا میں قائم رہا اس وقت تک استحصالی اور استعماری نظام کی یہ شکل رائج رہی کہ حاکم ریاست عملی طور پر کمزور ریاست پر قابض ہوتی۔ Enlightenment کے دور میں یورپی اقوام کو غیر مغربی اقوام پر سائنس اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے بالادستی حاصل ہوگئی تھی۔ ایشیا، مشرقِ وسطیٰ اور افریقہ کے کئی ممالک ان کے زیر نگیں آ گئے۔ برطانیہ نے ایک ایسی سلطنت تعمیر کر لی جس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ مغربی اقوام نے غیر مغربی اقوام کے نہ صرف وسائل پر قبضہ کر لیا بلکہ ان پر اپنی تہذیب و ثقافت کے بھی گہرے نقوش ثبت کئے لیکن عالمی جنگوں کے اثرات سے نو آبادیاتی نظام کا خاتمہ ہوگیا۔ مغربی اقوام کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ عملی طور پر اپنی نو آبادیوں پر قبضہ و تسلط برقرار رکھ سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ عظیم دوم کے بعد اکثر افریقی اور ایشیائی ممالک کو آزادی و خود مختاری ملنا شروع ہوگئی لیکن اب پرانے شکاری نیا جال لے کر آئے۔ کہیں جمہوریت کے فروغ، کہیں تعلیم بالغاں اور کہیں انسانی حقوق کے تحفظ کے نام پر انہوں نے ایسی پالیسیاں مرتب کیں کہ کمزور اقوام آزاد و خود مختار ہونے کے باوجود ان کے نادیدہ جال میں پھنس گئیں۔ پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک کو تعمیر نو کے منصوبوں کے لئے بھاری قرضے جاری کئے گئے تاکہ وہ پوری طرح استحصالی شکنجے میں جکڑے جائیں۔ اس طرح امریکہ اور یورپی اقوام کو ضرورت نہ رہی کہ وہ دوسرے ممالک میں اپنی فوجیں بھیج کر انہیں اپنے تابع فرماں کریں۔ انہیں غلام بنائے رکھنے کے لئے ان کی سیاسی و معاشی پالیسیاں کافی تھیں۔

ماخذ: الحکمت، شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب

تحریر: ڈاکٹر نعیم احمد

اس شمارے میں

غلط فہمیاں

شرک فی العبادۃ، شرک فی الصفات، شرک فی الذات

پاکستان میں اسلامی انقلاب کے امکانات

جنگ آزادی کی شکست کے اسباب

پڑھتا جا، شرماتا جا

پاکستان سے وابستہ امیدیں

سونیا گاندھی کا انکار۔ حقائق کیا ہیں؟

توکل علی اللہ

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

سورۃ آل عمران (آیات 33 تا 36)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَ نُوۡحًا وَّ اٰلَ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۳۳﴾ ذُرِّیَّۃًۢ بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ o اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرٰنَ رَبِّ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لَکَ مَا فِیۡ بَطۡنِیۡ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلۡ مِنِّیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ o فَلَمَّا وَضَعَتۡہَا قَالَتۡ رَبِّ اِنِّیۡ وَضَعۡتُہَاۤ اُنۡثٰی ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا وَضَعَتۡ ؕ وَ لَیۡسَ الذَّکَرُ کَالۡاُنۡثٰی ۚ وَ اِنِّیۡ سَمَّیۡتُہَا مَرۡیَمَ وَ اِنِّیۡۤ اُعِیۡذُہَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَہَا مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ o﴾

''اللہ نے آدم اور نوح اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران کو تمام جہانوں کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔ ان میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں' اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی' تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما' تو تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پھر جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا' اور جو کچھ اُن کے ہاں پیدا ہوا تھا اللہ کو خوب معلوم تھا' تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی پیدا ہوئی ہے اور (نذر کے لئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔''

اب یہاں براہ راست نصاریٰ سے خطاب ہے کہ تم نے جو عیسیٰؑ کو معبود بنالیا ہے یا تثلیث (Trinity) پیدا کر لی ہے تو یہ غلط ہے۔ عیسائیوں میں تثلیث دو طرح کی رہی ہے۔ ایک تو ہے اللہ' مریم اور عیسیٰؑ' جبکہ دوسری تثلیث جو اَب دنیا میں عام ہے وہ ہے اللہ' روح القدس اور حضرت عیسیٰؑ۔ سورۃ آل عمران کے اس دوسرے حصے میں انہیں کہا گیا ہے کہ یہ جو تثلیثیں تم نے ایجاد کر لی ہیں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ تمہاری کجروی کا نتیجہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بہت برگزیدہ پیغمبر تھے' ہاں ان کی ولادت معجزانہ طریقے پر ہوئی' لیکن ان سے متصلاً قبل یحییٰؑ کی ولادت بھی تو معجزانہ تھی۔ پھر آدمؑ کی پیدائش دیکھو جن سے نسل انسانی کا آغاز ہوا۔ آدمؑ کے نہ ماں' نہ باپ۔ اگر معجزانہ پیدائش الوہیت کی دلیل ہے تو پھر آدمؑ کو بھی الٰہ مانو اور یحییٰؑ کو بھی۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے چن لیا آدمؑ اور نوح کو اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہان والوں پر۔ حضرت آدمؑ بھی چُنے گئے۔ اس میں کچھ ان لوگوں کے لئے دلیل بنتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ تخلیق آدم سے پہلے کچھ Species وجود میں آ چکی تھیں' پھر ان میں سے ایک فرد کو اللہ نے چن کر اس میں اپنی روح پھونکی اور اسے برگزیدہ کیا اور وہ تھے آدمؑ۔ کیونکہ اصطفیٰ کا معنی ہے کسی گروپ میں سے چن لینا۔ بہرحال عام معنی بھی ہو جاتے ہیں یعنی پسند کر لینا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ میں دو عظیم شخصیتوں کے نام عمران ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا اور حضرت مریمؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ یوں حضرت عیسیٰؑ کے نانا عمران تھے اور موسیٰؑ کے والد عمران تھے۔ یہاں پر غالباً حضرت موسیٰؑ کے والد مراد ہیں مگر چونکہ سارا ذکر حضرت مریمؑ کا آ رہا ہے تو یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہاں اشارہ ان کے والد کی طرف ہو۔

اور یہ سب لوگ ایک دوسرے کی اولاد سے ہیں۔ نوح حضرت آدمؑ کی اولاد سے ہیں' ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی اولاد سے پھر بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل سب ان کی اولاد میں سے ہیں۔ اور اللہ سننے والا' جاننے والا ہے۔

عمران کی بیوی یعنی حضرت مریم کی والدہ بہت نیک' پارسا اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ان کو حمل ہوا تو انہوں نے اپنے پروردگار سے نذر مانی کہ جو میرے پیٹ میں بچہ ہے یہ میں تیری نذر کرتی ہوں' یعنی اس پر دنیاوی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہ ڈالیں گے بلکہ ہیکل کی خدمت اور دین کے کام کے لئے وقف کر کے آزاد کر دیں گے انہیں توقع تھی کہ بیٹا پیدا ہوگا۔ چنانچہ کہا کہ اے اللہ! تو میری اس نذر کو قبول فرما لے' یقیناً تو سب کچھ سننے والا' سب کچھ جاننے والا ہے۔

جب وضع حمل ہوا تو بیٹی پیدا ہوئی' اب کہنے لگی اے اللہ! میرے ہاں تو بیٹی پیدا ہو گئی۔ (میں تو سوچ رہی تھی کہ بیٹا ہوگا تو اسے وقف کر دوں گی) اس وقت لڑکی کو ہیکل کے خادموں میں قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ تو اللہ فرما رہے ہیں کہ اللہ بہتر جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا۔ اسے کیا پتہ کہ کیسی بیٹی جنی ہے اور کہا کہ بیٹا اس بیٹی جیسا کہاں ہوگا! اگر یہ قول حضرت مریم کی والدہ کا ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ لڑکا ہوتا تو اسے وقف کرتی' اب یہ تو لڑکی ہے۔ اور اگر یہ فرمان اللہ کی طرف سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ لڑکی ہے مگر کون لڑکا اس جیسا ہوگا! یعنی یہ بڑی فضیلت والی لڑکی ہے۔

حضرت مریم سلام علیہا کی ماں کہتی ہے ''میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور اے اللہ میں اسے تیری پناہ میں دیتی ہوں اور اس کی اولاد کو بھی' کہ یہ خود اور اس کی اولاد شیطان مردود کے حملے سے محفوظ رہے''۔

حافظ قرآن کو نصیحت

فرمانِ نبویؐ

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُمَا اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ: ((اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الۡقُرۡآنِ کَمَثَلِ الۡاِبِلِ الۡمُعَقَّلَۃِ اِنۡ عَاھَدَ عَلَیۡھَا اَمۡسَکَھَا وَاِنۡ اَطۡلَقَھَا ذَھَبَتۡ)) (متفق علیہ)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صاحب قرآن (حافظ) کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کی سی ہے' اگر اس کو دہراتا رہے گا تو یہ سینوں میں ٹکا رہے گا اور اگر پڑھنا پڑھانا چھوڑ دے گا تو یہ نکل جائے گا یعنی بھول جائے گا۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاتب قرآن مخدوم علی فقیہ ماہمی کے خط میں نسخ قدیم۔ فیروز شاہ تغلق کا دور علامہ ابن تیمیہ ابن بطوطہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز 800 ہجری (1397)

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ

ندائے خلافت

شمارہ		جلد
	28 مئی تا 2 جون 2004ء	
21	7 تا 13 ربیع الثانی 1425ھ	13

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت

ڈاکٹر عبد الخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ: 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرون ملک ...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)

☆.☆.☆

''ادارہ'' کا مضمون نگار کی رائے سے
متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

حافظ عاکف سعید

غلط فہمیاں

21 ویں صدی کے بالکل آغاز ہی میں نائن الیون کے بعد سے عالمی منظر نامہ کی رُت جس ادا سے بدلی ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا ہرگز مشکل نہیں ہے کہ وہ ''معرکۂ روح و بدن'' اور ''کشمکشِ حق و باطل'' جو ازل سے جاری ہے' اب اپنے آخری اور انتہائی مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ کرۂ ارض پر ابلیس کے وائسرائے کا کردار ادا کرنے والی شیطانی قوت ـــــ یعنی یہود ـــــ کا جادو امریکہ کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی طاقت امریکہ کو جو اس اعتبار سے کمزور ترین بھی ہے کہ وہ دنیا کی سب سے زیادہ مقروض حکومت ہے' یہودی ساہوکار نگنی کا ناچ نچا رہے ہیں۔ امریکی صدر ایک آسیب زدہ شخص کی طرح نتائج سے بے پروا ہو کر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ کا طبل بجا کر یہود کے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر عدل و انصاف اور اخلاق کے تمام مسلمہ اصولوں کی دھجیاں بکھیرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی ساکھ کو بھی داؤ پر لگا چکا ہے۔ افغانستان اور عراق کے بعد اس بدمست سفید ہاتھی کا اگلا ہدف پاکستان ہے۔ پاکستان کے مقتدر طبقات سے اسے کوئی دشمنی نہیں کہ وہ اس کے ابلیسی ایجنڈے کی تکمیل میں دامے درمے سخنے اس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اقتدار کی غلام گردشوں پر جن طبقات کا آج تک تسلط رہا ہے' وہ جاگیردار ہوں یا صنعت کار' سیاست دان ہوں یا فوجی آمر' سول بیورو کریٹس ہوں یا ملٹری بیورو کریٹس' ان سب کی اکثریت کا اسلام کے ساتھ تعلق بالکل واجبی سا ہے' ان کے قلب و ذہن پر بالعموم سیکولر نظریات اور ملحدانہ افکار کا تسلط ہے' چنانچہ یہ سب امریکہ کے ساتھ ذہنی سازگاری رکھتے اور اسلام کے خلاف عالمی جنگ میں اس کے ساتھ تعاون کو مصلحت وقت خیال کرتے ہیں۔ اس طبقے کے سرخیل اور نفس ناطقہ' صدر پرویز مشرف ہیں' جو اس امر سے تو بخوبی واقف ہیں کہ امریکہ کا اصل ٹارگٹ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ہے جو ابلیسی قوتوں کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے لیکن انہیں اس حقیقت کا ادراک نہیں ہے کہ اسلام کے خلاف یہودی ایجنڈے میں جہاں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناکارہ بنانا یا ان پر تسلط حاصل کرنا سرفہرست ہے' وہاں پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو منہدم کرنا' ستر و حجاب اور شرم و حیا کے اصولوں پر مبنی اسلام کے معاشرتی نظام کی دھجیاں بکھیر کر بے حیا اور آبرو باختہ معاشرہ تشکیل دینا' سودی معیشت کے فروغ کے ذریعے پاکستان کو معاشی اعتبار سے مفلوک الحال اور کشکول بدست اور پاکستانی عوام کو سود خوری اور جوئے کی لت میں مبتلا کرنا' نصاب تعلیم سے جہاد و قتال اور یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی کو بے نقاب کرنے والی آیات کو کھرچ کر نکالنا اور اسلام کا ایک ایسا ماڈریٹ ایڈیشن پاکستان میں رائج کرنا جو عالمی اسلام دشمن طاقتوں کو گوارا ہو' مسلمانوں کے جذبہ ایمان اور غلبہ و اقامت دین کے لئے جدوجہد کے عزم کی شدید حوصلہ شکنی کرتے ہوئے انہیں غیرت و حمیت دینی سے بے گانہ کرنا' مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دے کر ان کی قوت کو کمزور اور انہیں دنیا کے سامنے جاہل اور گنوار کے روپ میں پیش کرنا یہ سب ان کے مستقل ایجنڈے کا حصہ ہیں۔ وہ ان تمام محاذوں پر بیک وقت سرگرمِ عمل ہیں' تاکہ مسلمانوں کو روح دین سے محروم کر کے انہیں اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف فکر و عمل کے اعتبار سے غیر مؤثر اور بے ضرر اور سیاسی و معاشی اعتبار سے بے بس و لاچار بنا دیا جائے۔ (ثبوت درکار ہو تو امریکہ کے چوٹی کے تھنک ٹینک رینڈ فاؤنڈیشن کی وہ مفصل چشم کشا رپورٹ پڑھ لیجئے جو آج کل NET پر دستیاب ہے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے مقتدر طبقات ہی نہیں' نام نہاد دانشوروں اور مذہبی سکالرز کا ایک بڑا طبقہ بھی انہی کے ایجنڈے کی تکمیل میں دانستہ یا نادانستہ طور پر مصروف کار ہے۔)

صدر مشرف اور ان کی سی سوچ رکھنے والے طبقات کے نزدیک پاکستان کے دفاع اور تحفظ کے حوالے سے واحد شے ہمارا ایٹمی پروگرام ہے جس پر ہمیں ہر صورت استقامت کے ساتھ ڈٹے رہنا ہے' باقی تمام چیزیں جن کا تعلق ہمارے نظریہ حیات' ہمارے دین اور نظریہ پاکستان کے ساتھ ہے' ثانوی بلکہ ثالثی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ ایٹمی پروگرام کو بچانے کی خاطر وہ روح دین سمیت دیگر تمام چیزوں کی قربانی دینا غالباً موجب اجر و ثواب سمجھتے ہیں۔ اسلام دشمن طاقتوں کو اپنے ناپاک ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ایسی ہی سوچ رکھنے والے مسلمان لیڈروں کی ضرورت ہے۔ مذکورہ ایجنڈے کی تکمیل میں اس سے قبل وہ بے نظیر اور نواز شریف سے بھی ایک حد تک تعاون لے چکے ہیں۔ تاہم اب نائن الیون کے بعد ابلیسی طاقتیں بہت عجلت میں ہیں۔ ہمارے صدر پرویز مشرف پر بے پناہ دباؤ ہے۔ وہ بڑی ''ہمت و استقامت'' کے ساتھ اسلام کو مٹانے کی امریکی مہم میں اس کے اتحادی کا کردار ادا کر رہے ہیں اور اس پر ابلیسی طاقتوں سے داد بھی وصول کر رہے ہیں ـــــ وہ بڑے پرعزم انداز میں اپنے ایک مخصوص ایجنڈے پر کام کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک دنیا میں ہمارے متعلق چار غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ i) دہشت گردی پاکستان کے قبائلی علاقے سے ہو رہی ہے۔ ii) کشمیر میں جو در اندازی ہو رہی ہے اس میں پاکستان ملوث ہے۔ iii) ہم ایٹمی پھیلاؤ میں ملوث ہیں۔ iv) پاکستان ایک انتہا پسند ملک ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 8 پر)

اسرائیل......عالمی دہشت گردی کی جڑ

اسرائیلی فوج نے رفاہ کے بے گناہ اور نہتے فلسطینیوں پر ظلم وستم کا ایسا طوفان توڑا ہے کہ اس نے امریکا کو بھی چراغ پا کر دیا جو دنیا میں اسرائیل کا اکلوتا ساتھی رہ گیا ہے۔ گویا اسرائیل میں سب سیاست دان اور فوجی جرنیل ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں مگر ایریل شیرون نے تو سفاکی کی انتہا کر دی شاید وہ بے بس فلسطینیوں کے سینوں میں گولیاں اتارنے اور ان کے گھر ڈھانے میں لذت محسوس کرتا ہے۔ اگر یہی امر واقعہ ہے تو اس کے اذیت پسند ہونے میں کوئی شک نہیں۔

شیرون حکومت کی غلط روش سے عالم اسلام میں اس کا ایک قریبی ساتھی ترکی بھی خفا ہے۔ ترک وزیراعظم طیب اردگان نے جنوبی غزہ پٹی میں آبادہ رفاہ ریفیوجی کیمپ میں ''اسرائیلی سرکاری دہشت گردی'' کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترک اسرائیلی تعلقات میں دراڑیں پڑ چکی ہیں۔

ترکی اور اسرائیل کے درمیان تعلقات 1996ء میں اس وقت قائم ہوئے جب دونوں کے مابین فوجی تعاون کا معاہدہ ہوا۔ اس سے ایران اور عرب ممالک کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔ پھر معاشی اور ثقافتی شعبوں میں بھی دونوں نے روابط بڑھائے۔ اس تعاون کو ماہرین حکمت عملی والا ہاتھ' قرار دیا کیونکہ اسرائیل کو عالم اسلام میں ایک اور ساتھی مل گیا۔ ادھر اس بہانے ترکی نے شام پر دباؤ بڑھایا جہاں اس زمانے میں کرد باغی مقیم تھے۔ لہٰذا ترکی اسے اپنا دشمن سمجھتا تھا۔

لیکن اب صورت حال مختلف ہے۔ ترکی اور شام کے اختلافات ختم ہو گئے اور اب ترکی عرب ممالک سے تعلقات بڑھا رہا ہے۔ اب ترک رہنما سمجھتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ اور عرب دنیا میں تب ہی امن قائم ہو سکتا ہے جب فلسطین کی آزاد ریاست معرض وجود میں آ جائے۔

انقرہ اور تل ابیب کے درمیان کشیدگی اس وقت منظر عام پر آئی جب اپریل میں اسرائیلی نائب وزیراعظم' احد المرت کا دورہ ترکی کوئی وجہ بتائے بغیر منسوخ کر دیا گیا۔ پچھلے نومبر کو طیب اردگان مصروف ہونے کے سبب اسرائیل نہیں جا سکے تھے۔ دورے کی دعوت ایریل شیرون نے دی تھی۔

پچھلے ہفتے کی شاید سب سے اہم خبر یہ ہے کہ جب 20 مئی کو تازہ اسرائیلی مظالم کی مذمت کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کا اجلاس ہوا تو پاکستان سمیت پندرہ میں سے چودہ ارکان نے اسرائیل کے خلاف قرارداد مذمت کے حق میں ووٹ دیا۔ حیرت انگیز طور پر امریکا غیر حاضر رہا جس کے باعث قرارداد منظور ہو گئی ورنہ پہلے امریکا بہادر اس قسم کی قرارداد کے گلے پر چھری پھیر دیتے تھے۔

ماہرین کے نزدیک امریکی رویے میں یہ بڑی تبدیلی ہے مگر زیادہ تر ماہرین کہتے ہیں کہ یہ امریکا کی طرف سے اسرائیل کو معمولی سی جھڑکی ہے۔ قرارداد مذمت منظور ہوتے ہی اسرائیلی حکومت نے اگرچہ رفاہ سے فوج واپس بلوالی مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کی وجہ امریکا کی ناراضی نہیں بلکہ یہ خوف تھا کہ کہیں مزید اسرائیلی فوجی ہلاک نہ ہو جائیں۔

دراصل امریکا میں اسرائیلی غنڈہ گردی کے سلسلے میں جناب بش پر کسی قسم کا دباؤ نہیں کیونکہ اس کا مخالف' جان کیری شاید بش سے بھی زیادہ اسرائیل کا چمچہ ہے۔ اس نے اپنی تقریروں میں آج تک اسرائیل یا ایریل شیرون کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہا۔ دوسری طرف یورپی یونین نے بھی زبانی ہی اسرائیل کو جھڑکیاں دی ہیں۔ بے حس یہودیوں پر ان کا کیا اثر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمی طاقتیں جب تک اسرائیل کے خلاف سنجیدگی سے اقدامات نہیں کرتیں' رفاہ میں رونما ہونے والے واقعات بار بار دہرائے جائیں گے۔

عرب لیگ کا سربراہی اجلاس

توقع کے مطابق تیونس میں ہونے والا عرب لیگ کا اجلاس کسی ٹھوس نتیجے تک پہنچے بغیر ختم ہو گیا۔ لیبیا کے صدر معمر قذافی تو آغاز ہی میں اس کا بائیکاٹ کر کے چلے گئے۔ اجلاس میں فیصلے کئے گئے کہ لیگ کے ارکان جمہوریت کو فروغ دیں' اصلاحات کا منصوبہ پیش کریں اور معاشرے کو زیادہ آزادی دیں۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے فیصلوں کا ظہور امریکی دباؤ کا نتیجہ ہے جو اس وقت عراق اور فلسطین میں مسائل کے انبار تلے دبا ہوا ہے۔ امریکا سمجھتا ہے کہ عرب حکمرانوں کے جارحانہ رویہ کو روکنے کا یہ واحد طریقہ ہے۔

اجلاس میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں مگر تیونس میں جمع ہونے والے بائیس عرب حکمران مستقبل کے لئے کوئی ٹھوس لائحہ عمل نہ بنا سکے۔ مثلاً یہ طے نہیں ہوا کہ لیگ اٹھائیس کروڑ عربوں کی افرادی قوت اور معیشت سے کیونکر فائدہ اٹھائے گی۔

فلسطین میں اس وقت صورت حال انتہائی کشیدہ ہے۔ اسرائیل امریکا کی کھلی اور یورپی ممالک کی پوشیدہ حمایت کے ذریعے فلسطینیوں کی نسل کشی کر رہا ہے۔ لیکن لیگ یہ طے نہیں کر سکی کہ اسرائیلی جرائم کا مقابلہ کس قسم کی سفارت کاری کے ذریعے کیا جائے۔ عرب رہنماؤں کی اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہوگی کہ اجلاس میں یاسر عرفات شریک نہیں ہو سکے جو رملہ میں اسرائیل کے قیدی بنے ہوئے ہیں۔

عرب حکمرانوں کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ اپنی ہی سرزمین پر ان کے قدم مضبوطی سے نہیں جمے ہوئے۔ کچھ ممالک میں آمریت ہے اور کچھ میں ملوکیت اور حکومتیں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔ سیاسی آزادی نہ ہونے کے برابر ہے بلکہ مخالفوں کو زبردستی دبایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی بقا کے لئے عرب حکمرانوں کو مغربی ممالک خصوصاً امریکا کا تعاون درکار رہتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ وہ اپنے مربیوں کے خلاف کس طرح اٹھ کھڑے ہوں؟ اسرائیلی مظالم کا مقابلہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ عرب ممالک میں خلافت راشدہ کی مانند حکومتیں قائم ہوں اور وہاں مضبوط معاشرے جنم لیں۔ اس وقت عرب لیگ وہی رہے گی جو ہے ......یعنی ایک نمائشی ادارہ۔

کیتھولک مسلمانوں سے شادی نہ کریں۔

رومن کیتھولک عیسائیوں کے رہنما' ویٹکن چرچ نے اپنی پیروکار عورتوں پر زور دیا ہے کہ وہ کسی مسلمان سے شادی کرتے ہوئے پہلے ہزار بار سوچیں کیونکہ بیاہ کے بعد کئی مسلمان شوہر اپنی کیتھولک بیویوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے خصوصاً اگر وہ شوہر کے ساتھ اسلامی ملک چلی جائیں۔

ماہرین کے نزدیک چرچ کے اس بیان سے دنیا کے دو سب سے بڑے مذاہب کے درمیان کشیدگی میں اضافہ ہوگا۔ بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ اگر شادی کسی اسلامی ملک میں ہو تو کیتھولک بیوی یا شوہر کسی دستاویز پر دستخط نہ کرے اور نہ ہی کلمہ شہادت پڑھے کیونکہ پھر اسے مسلمان تصور کیا جائے گا۔

' رومن کیتھولک کے پیشوا پوپ جان پال گو مسلمانوں سے تعاون کے حامی ہیں اور انہوں نے دمشق کی مسجد میں عبادت بھی کی تھی۔ جب انہوں نے عراق پر حملے کے خلاف آواز بلند کی تو سب مسلمانوں نے انہیں سراہا تھا۔ مگر رومن کیتھولک کے اکثر رہنما اسلام کے

(بقیہ صفحہ نمبر 10 پر)

پہلا حجاب یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں ایک کشش ہے اور انسان اسی میں محو ہو کر رہ جاتا ہے

دوسرا حجاب یہ ہے کہ جو کچھ اس دنیا میں ہو رہا ہے' وہ سلسلۂ اسباب وعلل کے پردے میں ہو رہا ہے

تیسرا حجاب یہ ہے کہ ہم حواسِ خمسہ کے ذریعے خدا کو نہیں دیکھ سکتے تو ہم خدا کے وجود کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کر سکتے

شرک فی العبادۃ' شرک فی الصفات' شرک فی الذات

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب کے 14 مئی 2004ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

قرآن مجید کی ان دو سورتوں یعنی سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الکہف کا مطالعہ ہم سبقاً سبقاً کریں گے۔ حدیث کی اصطلاح میں یہ دونوں سورتیں باہم بہنیں ہیں۔ اپنی معنویت' ظاہری مشابہت اور مطالب کے اعتبار سے' یہ دونوں سورتیں قرآن مجید کی حکمت و معرفت کا نقطۂ عروج ہیں۔ بلکہ ایک اعتبار سے تعلیماتِ قرآنی کا لب لباب ہیں۔ ان سورتوں میں اس کائنات کے اصل حقائق کے بارے میں بات ہوئی ہے۔ حقائق کے دو روپ ہیں' ایک ظاہر' ایک باطن۔ ہمارے حواس خمسہ ظاہر تک محدود ہیں۔ لیکن ان کے پس پردہ اصل حقائق کی طرف نظر نہ جائے تو یہی محجوبیت اور غفلت ہے اور یہی وہ چیز ہے جو انسان کو حقیقت الحقائق سے غافل کر دیتی ہے۔ بقول اقبال۔

اے اہل نظر' ذوقِ نظر خوب ہے لیکن!
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

ان سورتوں میں حقائق کائنات کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے' الکہف تو دجالی فتنے سے بچنے کے لئے ایک اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے۔ تمام علمائے دین کا اتفاق ہے کہ دجالی فتنے کی تمام علامات جو احادیث نبوی ﷺ میں آئی ہیں' وہ اس دور میں پوری ہو رہی ہیں۔ تو گویا عصر حاضر کے مسلمانوں کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے اس سورت کے معانی سے راہنمائی حاصل کرنا۔ ایک تو دجال کی شخصیت کا تذکرہ ہے۔ وہ المسیح الدجال۔ اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل کریں گے۔ احادیث کے مطابق (حزب اللہ کے امام کے طور پر) امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ جب کشمکش انتہا کو پہنچے گی تو مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ وہ شیطان کے ایجنٹ یہود کا قلع قمع کریں گے۔ مسلمانانِ عالم کے لئے یہ سخت امتحان کا دور ہوگا جو صرف اللہ پر بھروسہ کریں گے۔ ان سورتوں کے مطالب کو امت مسلمہ کے موجودہ حالات کی روشنی میں دیکھنا مقصود ہو تو واقعی ان کے ایک ایک لفظ پر غور کرنا چاہئے۔

پہلے دور میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس دجالی فتنے کا سب سے بڑا شرک اس وقت مادہ پرستی کا شرک ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ ہم باطل قوتوں کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ اس سے کاملتاً پاک بہت کم لوگ ہیں۔ ہم صرف ظاہر کو دیکھ کر فیصلے کرتے ہیں اور اصل حقائق کی تہہ تک نگاہ میں نہیں اٹھتی۔ یہی مادہ پرستی ہے۔ بہبود آبادی کے منصوبوں اور پروگراموں سے معلوم ہوتا ہے کہ فیصلے قرآن وحدیث سے ہٹ کر کئے گئے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے پنڈتوں کے نزدیک اصل مسئلہ اس وقت آبادی کی کثرت کا ہے۔ وہ صرف زمینی حقائق کو دیکھتے ہیں۔ اس سے آگے ان کی نظر نہیں جاتی۔ قرآن کہتا ہے کہ رزق ہم مہیا کرنے والے ہیں۔ تم اللہ کا نظام قائم کرو تو زمین اور آسمان سے تم پر برکتیں نازل ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں بھیج کر کچھ حجابات اس پر ڈال رکھے ہیں کہ اس کی نگاہ براہ راست حقیقت کو نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ غیب میں نہیں' ہم امتحاناً غیب میں ہیں۔ جو کچھ پردے حجابات ہم پر ڈال دیئے گئے ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں ایک کشش ہے اور انسان اسی میں محو ہو کر رہ جاتا ہے۔ بقول اقبال۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

دنیوی زندگی کی یہ چمک دمک ایک حجاب ہے اور یہ حجاب دورِ حاضر میں پہلے ادوار کے مقابلے میں ہزار گنا دبیز ہو گیا ہے اور یہ سب کچھ سائنس اور ٹیکنالوجی کا کیا دھرا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا وہ وقت کیسا ہوگا کہ جب ہر گھر میں ناچ گانے ہو رہے ہوں گے۔ صحابہ پریشان ہوئے کہ یہ کون سا وقت ہوگا۔ اور اب آپ کو خود اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ وقت ہر گھر میں پہنچا ہے اور کس شان سے پہنچا ہے۔ اس وقت فحاشی اور عریانی کے بے شمار طریقے میسر ہیں۔ ہر فتنہ وگمراہی کسی نہ کسی شرک سے جنم لیتی ہے۔ اب سارا ایثار اگر ہو رہا ہے تو دنیا کمانے کے لئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا ((تعس عبدالدنيا و عبدالدرهم)) ''ہلاک ہو جائے درہم و دینار کا بندہ''۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـہَہٗ ہَوٰىہُ﴾ (الجاثیہ : 23) ''کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جس نے اپنی زندگی کا مقصد نفس کو معبود بنا لیا ہے۔ یہ شرک فی العبادہ ہے۔ سورۃ الکہف کے آخر میں ہے: ﴿فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا﴾ جس شخص کو بھی اپنے رب سے ملاقات کی اُمید ہے اسے نیک عمل کرنا چاہئے۔ وہ نفس کا بندہ بننے کے بجائے اللہ کا بندہ بنے (وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا ۝) (الکہف: 110) (اور بندگی میں اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ کرے۔ قصہ مختصر یہ کہ دجالی فتنے کی اس خاصیت سے شرک فی العبادۃ جنم لیتا ہے۔

اب دوسرا حجاب کیا ہے' جس کی وجہ سے ہم حقیقت کو نہیں دیکھ پاتے۔ وہ یہ ہے کہ جو کچھ یہاں اس دنیا میں ہو رہا ہے' وہ سلسلہ اسباب وعلل کے پردے میں ہو رہا ہے' اللہ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ جو کچھ انسان تک پہنچتا ہے اسباب کے ذریعے پہنچتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ وہ شافی اللہ ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں شفا تو دوا سے حاصل ہو رہی ہے۔ رازق اللہ ہے لیکن وہ چونکہ اسباب کے ذریعے ہم تک پہنچ رہا ہے' لہٰذا ہم (غلطی سے) سمجھتے ہیں کہ رزق تو اسباب سے مہیا ہو رہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے یہ کائنات اسباب کے کنٹرول میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس بے خدا تہذیب کا رخ ابلیسیت کی طرف ہے۔ اب ان اسباب کے پیچھے اصل حقیقت کیا ہے' اس کی طرف ہماری نظر نہیں اٹھتی۔ اسباب کے ذریعے تدبیر امر فرما رہا ہے لیکن وہ ہمیں

نظر نہیں آ رہی۔ اللہ کے رسول فرماتے ہیں کہ ہر لقمہ انسان کے حلق سے اترنے سے پہلے اللہ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ میں انسان کے لئے زہر بن جاؤں یا اس کو فائدہ پہنچاؤں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ساری تاثیر اس لقمے میں ہی ہے۔ موجودہ دور میں یہ حجاب بھی اس دجالی تہذیب کی وجہ سے ہزار گنا زیادہ دبیز ہو گیا ہے۔

پہلے یہ ہوتا تھا کہ کسی آفت آسمانی کی وجہ سے پورا پورا کھیت جل جاتا تھا۔ اور کسان سارا سال اپنے نقصان پر افسوس کرتا تھا۔ آج انسانی تہذیب نے اپنے سرمایے کی حفاظت کے بھی طریقے ڈھونڈ لئے ہیں مثلاً آپ انشورنس بھی کروا سکتے ہیں' کسی بنک میں بچتی سکیم میں محفوظ کرا سکتے ہیں۔ گو پہلے کچھ نہ کچھ خوف ہوتا تھا کہ معلوم نہیں اللہ کی طرف سے کیا آ جائے' اب وہ ڈر اور خوف بھی کھل گیا ہے۔ سارا بھروسہ اسباب و وسائل پر ہے' اور یہ چیز شرک فی الصفات کو جنم دیتی ہے۔ دجالی تہذیب کے یہ دو تحفے ہیں' شرک فی العبادۃ اور شرک فی الصفات ایک تیسرا شرک بھی ہے شرک فی الذات۔ کسی کو اللہ کا بیٹا یا بیٹی سمجھنا وغیرہ۔ یہ تصور ایک زمانے میں ہوا کرتا تھا جبکہ انسانی عقل ارتقائی مراحل میں تھی۔ یہ سب سے بڑا گھناؤنا شرک ہے' الکہف کے آغاز میں اس کا ذکر ہے: ﴿وَيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ﴾
(الکھف : 4)

آج کل یہ شرک عام طور پر نہیں ہے' یہ شرک عیسائیوں کے اندر تھا لیکن اب ان کا تعلق اپنے دین و مذہب سے نہیں رہا۔ دجالی فتنے کا سبب وہی ابنیت مسیح کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں نے جو ابنیت مسیح کا عقیدہ گھڑا تھا' اس کا ہی یہ نتیجہ ہے۔ وہاں دین و مذہب کے نام پر انتہائی جبر تھا۔ سخت ظلم و ستم روا رکھا جاتا تھا۔ بہت عرصے تک علمی اور سائنس کی ترقی کا راستہ روکا گیا تھا۔ لیکن جب یہ بند ٹوٹا اور وہ مسلمانوں کی روشنی سے اپنا چراغ جلا کر علمی ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے تو ان کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ مذہب ہی تھا جو ہماری ترقی کی راہ میں رکاوٹ تھا' اور آج مذہب کو ترک کرنے ہی سے ہمیں ترقی ملی ہے' لہٰذا مذہبی عقائد و تصورات میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے انہوں نے سوچا کہ جب ہم حواس خمسہ کے ذریعے سائنسی لیبارٹری میں روح اور خدا کو نہیں دیکھ سکتے تو ہم روح اور خدا کے بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے کہ آج ان کا انکار کر دیا جائے۔ لہٰذا اسی ابنیت مسیح کے عقیدے کی وجہ سے مذہب سے نفرت ہوگئی ورنہ سائنس میں بذاتِ خود کوئی ایسی بات نہیں تھی کہ مذہب سے نفرت کی جاتی۔ مختصر یہ کہ یہ تینوں شرک یعنی شرک فی العبادۃ' شرک فی الصفات اور شرک فی الذات دجالی فتنے کا سبب ہیں۔

آج کے زیر درس چھٹے رکوع میں دنیوی زندگی کی حقیقت کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ ایک حقیقت تو ہمارے سامنے ہے دنیا میں بڑی رونقیں ہیں' اور اس کے اندر مشغول ہو کر انسان سمجھتا ہے کہ یہ ابدی ہیں' لیکن آخرت کے اعتبار سے اس کی کیا حقیقت اور اہمیت ہے' اب اس کا بیان ضروری ہے۔

قرآن بتا رہا ہے کہ اے غافل انسان جس رب نے تجھے اس دنیا میں بھیجا ہے وہ ایک اور عالم میں بھی اٹھائے گا اور آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر اللہ پر تیرا ایمان ہے۔ اس کو ایک مثال سے واضح کیا گیا ہے: ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الکھف: 45) "اے نبی ان کے لئے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کیجئے۔ حیاتِ انسانی کا وقفہ بہت لمبا ہے۔ دنیا کی زندگی تو ایک وقفہ ہے۔ اصل برزخی زندگی بعد میں شروع ہوگی۔ ﴿كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ﴾ اس دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے ہم پانی کو آسمان سے نازل کرتے ہیں ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ تو اس سے خلط ملط ہو کر نکلتا ہے زمین کی نباتات۔ اس مثال کو یہ شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ﴿فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا﴾ پھر وہ فصل زرد پڑ گئی ہے۔ ﴿تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ﴾ اور ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔ فصل کا عرصہ صرف چھ ماہ کا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس میں دنیوی زندگی کی مثال کیسے آئی؟ افراد کی زندگی کا معاملہ بھی یہی ہے۔ ایک شخص ایک وقت میں پیدا ہوتا ہے پھر وہ شیر خوارگی' بچپن' لڑکپن اور جوانی سے گزرتا ہے اور پھر اس پر کہولت طاری ہوتی ہے اور وہ طبعی عمر پوری کر کے خاک کا پیوند ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک فصل چھ مہینے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انسانی زندگی کا چکر بھی نوعیت کے اعتبار سے فصل سے مختلف نہیں ہے۔ جیسے فصل کی زندگی عارضی ہے' اسی طرح انسان کی دنیوی زندگی بھی عارضی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فصل لہلہا رہی ہوتی ہے اور امید ہوتی ہے کہ اس سے خوب غلہ نکلے گا لیکن ایک ناگہانی آفت آتی ہے ﴿اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ﴾ اور وہ اس کو ایسے چٹیل کر دیتی ہے جیسے یہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ انسانی زندگی میں بھی یہی ہوتا ہے۔ عین جوانی کے عالم میں اچانک موت آ جاتی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ انسانی زندگی کا طبعی سائیکل پورا ہو۔ ایک جگہ فرمایا ﴿وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ﴾ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ پہلے ہی اٹھا لیتا ہے۔ یہ اس کا اختیار ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ زندگی عارضی ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی ناپائیدار بھی ہے۔ انسان کو جوانی میں احساس نہیں ہوتا کہ مجھے مرنا ہے۔ وہ دوسرے نوجوانوں کو فوت ہوتے دیکھتا ہے' مگر اپنی ذات کے لئے وہ اس خیال کو جھٹک دیتا ہے کہ مجھے بھی ایک وقت میں جانا ہے۔ چنانچہ اسی غلط فہمی کی بنا پر اس ناپائیدار زندگی ہی کو سب کچھ سمجھ کر اللہ کے احکامات کو توڑتا ہے۔ جبکہ اصل زندگی آخرت کی ہے۔ ایک حدیث میں تمثیل آئی ہے کہ ایک سمندر میں انسان اپنی ایک انگلی پانی میں ڈالے اور نکال لے تو انگلی کو جو پانی لگا ہے' اس کی شرح اس سمندر کے ساتھ جتنی ہے دنیا کی زندگی کی شرح بھی آخرت کے مقابلے میں ایسی ہی ہے۔ تو تم سمندر کو چھوڑ کر اس سے پانی کے لئے ہلکان ہوئے جا رہے ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ اس وقت کھجور کی چھال کی چٹائی پر استراحت فرما رہے تھے۔ آپ اٹھ بیٹھے تو ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی کمر پر کھجور کے نشان پڑے ہوئے ہیں تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ہم آپ کے لئے کوئی آرام دہ بستر نہ بنا دیں! تو آپؐ نے فرمایا: مجھے اس دنیا سے کیا لینا؟ میری مثال تو اس مسافر کی سی ہے جو تھوڑی دیر کے لئے درخت کے سائے میں بیٹھا ہے۔ ایک اور جگہ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے کندھے پکڑ کر کہا تھا "دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی ہوتا ہے' بلکہ جیسے راہ گزر کا مسافر"۔ ایک اور حدیث ہے کہ اگر دنیا کی وقعت کی مچھر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ کافر کو دنیا میں ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔ ایک جگہ ارشاد ہے: "دنیا مردار کی مانند ہے اور اس کے طلب گار ان کتوں کی طرح ہیں جو مردار پر جھپٹتے ہیں"۔ لیکن دوسری طرف تو ہے کہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے۔ قرآن ان حقائق کو کھول رہا ہے۔ فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے وفادار بندوں کے لئے آخرت کی نعمتیں بنا رکھی ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ مال اور بیٹے دنیا کی زینت ہیں۔ اس عارضی زندگی زینت کے سامان میں سے دو بہت اہم ہیں۔ مال و دولت اور اولاد میں بیٹے"۔ انسان اللہ کو بھول کر ان میں مگن ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ فرمایا: ﴿اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال: 28) "یقیناً تمہارے مال اور اولاد فتنہ ہیں"۔ فتنے کا مطلب ہے آزمائش کا ذریعہ۔ مال و اولاد کی محبت انسان کو اللہ اور آخرت سے غافل کرتی ہے اور نفاق کا بیج پیدا ہوتا ہے۔ سورۃ المنافقون میں فرمایا: "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں تمہارے اموال اور اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں"۔ ﴿وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝﴾ باقی رہنے والی تو وہ نیکیاں ہیں۔ ان باقیات صالحات میں ساری نیکیاں شامل

ہیں اور تمہارے رب کے نزدیک بدلے کے اعتبار سے بہترین یہ ہیں اور ان نتائج کے اعتبار سے تم بہتر امید رکھ سکتے ہو۔ ایک حدیث مبارکہ ہے: ''تین چیزیں میت کے ساتھ جاتی ہیں۔ اس کا خاندان' اس کا مال اور اس کا عمل۔ دو چیزیں تو لوٹ آتی ہیں اور ایک چیز ساتھ جاتی ہے' اس کے اہل وعیال بھی لوٹ جاتے ہیں اور مال بھی' اور باقی رہ جانے والا اس کا عمل ہے' ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے: ''آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال' اس کا مال تو اتنا ہے جو اس نے کھا پی لیا یا پہن لیا۔ باقی مال تو اس کی وارثوں کا ہے''۔ ہم جو سمجھتے ہیں یہ میرا مال ہے یہ سب دجل وفریب ہے۔ ابدی زندگی میں تو نیک اعمال جائیں گے۔ آخرت میں حاضری لازمی ہوگی۔ ایک جگہ آخرت کا نقشہ کھینچا گیا کہ مجرموں سے پوچھا جائے گا۔ آخرت میں کتنا عرصہ رہے تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ شاید ایک دن یا اس کا بھی کچھ حصہ۔ وہاں جا کر حقیقت کھلے گی ہم تو فریب میں مبتلا تھے۔ اصل زندگی تو یہ ہے اس وقت حسرت سے کہیں گے کاش! ہم نے اس زندگی کے لئے کچھ کیا ہوتا۔ لیکن وہ حسرت کسی کام نہیں آئے گی۔ اس دنیا میں اس حقیقت کو جان لوگے تو فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دین کا علم اور فہم عطا فرمائے اور ہماری زندگی کو صحیح رُخ پر چلائے اور ہم اس دنیوی زندگی اور آخرت کی زندگی کو سمجھیں۔ یہی اصل پیغام ہے۔

منظر نامہ

پاکستان میں اسلامی انقلاب کے امکانات

قیوم نظامی

گزشتہ چند سالوں سے لوگوں کا مذہب کی جانب رجحان بڑھ رہا ہے۔ مذہبی اجتماعات میں لوگ اب زیادہ تعداد میں شرکت کرتے ہیں جبکہ سیاسی اجتماعات میں عوام کی شرکت کم ہوتی جارہی ہے۔ عوام موجودہ سیاسی کلچر سے بے زار نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے گزشتہ دنوں الحمراء ہال میں ''رسولؐ انقلاب کا طریق انقلاب'' پر لیکچر دیا۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا لوگ بڑے سٹیج اور راہداریوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حاضرین نے سوا تین گھنٹے تک ڈاکٹر اسرار احمد کا لیکچر پوری توجہ اور انہماک سے سنا۔ موضوع بڑا دلچسپ ہے اور اس لیکچر کی رپورٹ بھی اخبارات میں شائع نہیں ہوئی لہٰذا قارئین کی دلچسپی کے لئے لیکچر کی سمری پیش خدمت ہے۔

آج امت مسلمہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ دنیا کے کسی ایک ملک میں نظام مصطفیٰ ﷺ نافذ کر کے ماڈل دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔ اسلامی ملکوں میں اللہ کے دین کو اس کی اصل شکل میں پیش نہیں کیا جارہا۔ لہٰذا اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے ہیں۔ اسلام کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کیا جائے۔ نیو ورلڈ آرڈر دراصل جیو (یہودی) ورلڈ آرڈر ہے۔ دنیا کو اسلامی ورلڈ آرڈر یعنی جسٹ (منصفانہ) ورلڈ آرڈر کی ضرورت ہے۔ غلبہ اسلام کے لئے جذبہ موجود ہے مگر اسلامی تحریکیں اِدھر اُدھر بھٹک رہی ہیں۔ انقلاب کا لفظی مطلب تبدیلی ہے۔ صرف مذہبی تبدیلی کو انقلاب نہیں کہتے۔ انقلاب سیاسی' معاشی اور سماجی نظام میں تبدیلی لاتا ہے۔ رسول خدا ﷺ نے تاریخ انسانی کا عظیم انقلاب برپا کیا۔ اس انقلاب سے مذہب' سیاست اور معیشت سب کچھ بدل گیا۔ یہ اسلامی انقلاب دنیا کا واحد انقلاب ہے جسے ایک انسان نے شروع کیا اور اسے تکمیل تک پہنچایا۔ یہ انقلاب 23 سال میں مکمل ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے اسلامی انقلاب کو سات مرحلوں میں مکمل کیا۔

1۔ ایسا فلسفہ اور نظریہ دینا پڑتا ہے جو موجودہ نظام کو کاٹتا ہو اور تبدیلی کا ضامن ہو نظریہ نیا ہو تو معاملہ آسان ہوتا ہے' اگر پرانا ہو تو اس کی نئے حالات کے مطابق تشریح کرنی پڑتی ہے۔

2۔ جو افراد اس نظریے کو تسلیم کریں وہ منظم ہوں۔ ڈسپلن کی پابندی کریں۔ لوگوں کی حیثیت کا تعین وفاداری اور قربانی کی بنیاد پر کیا جائے۔ انقلاب کے دشمن مقابلہ کرتے ہیں اور انقلابی تحریک کو آغاز میں دبانے کی کوشش کرتے ہیں' لہٰذا ان کا مقابلہ تنظیم اور ڈسپلن سے ہی کیا جاتا ہے۔

3۔ تیسرے مرحلے پر نظریے کو قبول کرنے والے افراد کی تربیت کی جائے۔ نظریہ ان کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے۔ ان کی روحانی تربیت کی جائے اور ان کے اندر تن من دھن قربان کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

4۔ چوتھے مرحلے پر نرم مزاحمت کی جائے انقلاب کے حامی اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور جوابی کارروائی نہ کریں۔ اس مرحلے پر انقلاب کے دشمن داعی انقلاب کی کردار کشی کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسے پاگل دیوانہ اور شاعر کہیں گے اور اس کی ہمت کو توڑنے کی کوشش کریں گے۔ اس کے بعد داعی انقلاب کو جسمانی طور پر ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس مرحلے پر تنظیم کو وسعت دی جائے اور طاقت حاصل کی جائے چودھری' سردار' جاگیردار اور سرمایہ دار انقلاب سے خوفزدہ ہوتے ہیں اور انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عوام خاموش رہتے ہیں اور رفتہ رفتہ انقلابیوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

5۔ پانچویں مرحلہ میں گرم مزاحمت کی جاتی ہے۔ اس مرحلہ کے لئے مناسب وقت کا تعین بہت ضروری ہوتا ہے۔ جلد بازی سے کام بھی نہیں لینا چاہئے اور تاخیر بھی نہیں ہونی چاہئے۔ اس مرحلہ پر عدم تعاون عدم تشدد کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔

6۔ چھٹا مرحلہ براہ راست تصادم کا ہوتا ہے۔ موجودہ نظام اور اس کے محافظوں کے خلاف جنگ کی جاتی ہے اور سماج پر غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔

7۔ ساتویں مرحلے پر انقلاب برآمد کیا جاتا ہے۔ جو انقلاب ایک ملک تک محدود رہے اور برآمد نہ ہو وہ انقلاب نہیں ہوتا۔

رسول خدا ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں یہ ساتوں مراحل مکمل کئے۔ انہوں نے توحید کا انقلابی نظریہ پیش کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی انسان حاکم نہیں بن سکتا آقا اور مولا صرف خدا کی ذات ہے انسان زمین پر اس کا خلیفہ ہے۔ زمین وآسمان میں ہر چیز کا مالک خدا ہے انسانوں کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کی امانت ہے۔ تمام انسان برابر ہیں ان میں فرق صرف علم اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اسلام کامل مساوات انسانی کا داعی ہے۔ حضور ﷺ نے انقلابی نظریہ کی تبلیغ شروع کی اور بیعت کا سلسلہ شروع کیا۔ تین سال تک قریش نے ان کی کردار کشی کی اور انہیں جسمانی تکالیف پہنچائیں تا کہ وہ ہمت ہار کر تبلیغ چھوڑ دیں' مگر حضور ﷺ ڈٹے رہے۔ ہجرت کے بعد حضور ﷺ نے چھ ماہ تک خود کو مستحکم کیا۔ مسجد نبوی تعمیر کر کے اسے اپنا مرکز بنایا۔ مہاجرین اور انصار میں مواخات کے اصول پر مفاہمت کرائی۔ انصار نے مہاجرین کو دکان مکان میں شریک کر لیا جس کی دو بیویاں تھیں اس نے ایک بیوی کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی۔ میثاق مدینہ کا معاہدہ کیا تا کہ مدینہ کے گردونواح کے قبائل مدینہ کے دفاع کے لئے تعاون کریں۔ غزوہ بدر سے

پہلے آٹھ گروپ کفار کے قافلوں پر حملوں کے لئے روانہ کئے تا کہ کفار کو معاشی طور پر کمزور کیا جائے۔ اس کے بعد مسلح تصادم کا آغاز غزوہ بدر میں ہوا۔ قریش کی معاشی اور سیاسی طاقت ختم کرنے کے لئے مکہ پر حملہ کر کے انقلاب کو مکمل کیا۔ حضور ﷺ نے دس سال کے بعد انقلاب کو برآمد کیا اور دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کو پیغامات روانہ کئے۔

پاکستان کے موجود حالات میں پہلے پانچ انقلابی مراحل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انقلابی نظریہ کے سلسلے میں اجتہاد کی ضرورت ہے تا کہ موجودہ حالات کے مطابق نظریہ کی تشریح کی جائے اور ایک متفقہ لائحہ عمل قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ جب حضور ﷺ نے انقلاب برپا کیا تو مسلمانوں اور کفار میں طاقت کا فرق زیادہ نہیں تھا بلکہ افراد کی تعداد کا فرق تھا۔ کوئی پیشہ ور فوج نہیں تھی۔ آج صورت حال مختلف ہے ایک منظم مسلح فوجی طاقت موجود ہے جو انقلاب کو کرش کرنے کی کوشش کرے گی۔

پاکستان میں انتخابات سے تبدیلی یا انقلاب لانا ممکن نہیں ہے۔ انتخابات نظام چلانے کے لئے کرائے جاتے ہیں نظام کو تبدیل کرانے کے لئے نہیں کرائے جاتے۔ آج کے حالات میں انقلاب لانے کے لئے منظم اور پرامن عوامی تحریک کی ضرورت ہے۔ جلاؤ گھیراؤ کی ضرورت نہیں ہے اور جان و مال کو نقصان بھی نہیں پہنچانا چاہئے۔ انقلاب میں جنگ جائز ہے مگر معروضی حالات میں جنگ ممکن نہیں ہے۔ عوامی دباؤ سے کام لینا پڑے گا۔ گرم مزاحمت پر عوام پُر امن مگر سخت احتجاج کریں۔ عدم تشدد اور عدم تعاون کے اصول پر عمل کیا جائے تو پاکستان میں انقلاب لایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کا خیال ہے کہ جب عوام پُر امن مگر منظم مزاحمت کریں گے اور انقلابی فلسفہ کے نفاذ کا مطالبہ کریں گے تو فوج کچھ عرصہ سختی کرے گی' مگر اپنے بھائیوں پر گولی نہیں چلائے گی اور عوام کے مسلسل احتجاج کے نتیجے میں فوج کے جوان بھی ہتھیار پھینک کر ہاتھ کھڑے کر دیں گے اور عوام کے ساتھ آن ملیں گے۔ عوام میں جذبہ موجود ہے اور اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے بھی تیار ہیں جس کا مشاہدہ ہم آئے روز فلسطین' عراق' افغانستان' کشمیر اور چیچنیا میں کر رہے ہیں۔ جب قربانی کا جذبہ موجود ہو تو انقلاب برپا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دہشت گردی کو کچل دیا جائے گا۔ اجتہاد کی بنیاد پر ترتیب دیئے گئے متفقہ انقلابی نظریہ کی بنیاد پر عوام کو منظم کر کے اور مزاحمتی تحریک چلا کر انقلاب برپا کرنا ممکن ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد ایک ممتاز سکالر اور قرآن و سنت کے بے باک ترجمان ہیں' لوگ ان کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں۔ وہ گزشتہ چالیس سالوں سے قرآن کی تبلیغ کر رہے ہیں ان کے مخاطب خوشحال افراد ہی رہے ہیں۔ جن کے پاس کھونے کو بہت کچھ ہے' ان سے انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ انقلاب ہمیشہ وہ افراد لاتے ہیں جن کے پاس سوائے زنجیروں کے اور کچھ کھونے کو نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب کی صحت اجازت دے تو وہ انقلاب کا درس ان لوگوں کو دیں جو غربت کی وجہ سے خودکشیاں کر رہے ہیں۔

پاکستان میں ایک بھی ایسی مذہبی شخصیت نہیں ہے جو مسلمانوں کی اکثریت کے لئے کرشماتی حیثیت رکھتی ہو۔ قابل اعتماد اور قابل قبول لیڈر کے بغیر پاکستان میں اسلامی انقلاب نہیں آ سکتا۔ مذہبی جماعتیں مختلف فرقوں اور گروہوں میں منقسم ہیں۔ مذہبی تعصبات اور مذہبی تقسیم ہی مذہبی انقلاب کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اگر معجزہ ہو جائے اور پاکستان کے مسلمان ایک مذہبی لیڈر کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو وہ چوبیس گھنٹے میں کسی خون خرابے کے بغیر انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے قرآن اور سیرت پر عبور حاصل کر لیا ہے وہ موجودہ سیاسی' معاشی اور سماجی معروضی حالات کا گہرائی میں جا کر مطالعہ کریں اور اجتہاد کی جانب پہلا قدم اٹھائیں۔ دنیا بھر سے اسلام کے غیر متعصب سکالرز کو بلائیں اور امت مسلمہ کو ایک متفقہ اسلامی ایجنڈا دیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب یہ فرض پورا کر سکیں تو یہ ان کی بہت بڑی اسلامی خدمت ہوگی۔ انہوں نے گزشتہ ماہ عالمی مفکرین کے ساتھ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کی تھی وہ اسلامی مفکرین کے ساتھ کانفرنس کرنے کی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔

پاکستان کے موجودہ حالات انتہائی سازگار ہیں۔ عوام کی اکثریت ایسی انقلابی تبدیلی کے لئے تیار ہے جس کے نتیجے میں اسے انصاف' عزت نفس اور روٹی روزگار حاصل ہو۔ شرط یہ ہے کہ کوئی ایسی انقلابی قیادت سامنے آئے جس پر عوام اعتماد کر سکیں۔ پاکستان اس وقت قیادت کے بحران سے گزر رہا ہے۔ غریب عوام صرف سیاسی اور معاشی انقلاب کے لئے قربانی دینے کے لئے تیار ہیں اور اسلامی انقلاب کے لئے بھی تیار ہیں۔ انقلاب کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ انقلابی اور کرشماتی رہنما کا فقدان ہے۔

(بشکریہ روزنامہ دن)

بقیہ اداریہ

ان ''غلط فہمیوں'' کو دور کرنے کے لئے ہمارے صدر عالی مقام آخری انتہا تک جانے کو تیار ہیں۔ گمان غالب ہے کہ نصاب تعلیم میں شرانگیز تبدیلیاں اور اب حدود آرڈیننس اور ناموسِ رسالت ایکٹ میں ترمیم و تبدیلی کا شوشہ کھڑا کرنا بھی اسی ایجنڈے کا حصہ ہے کہ پاکستان کے بارے میں اس غلط فہمی کو دور کیا جائے کہ یہ ایک انتہا پسند ملک ہے۔ صدر مشرف کا خیال ہے کہ وہ اگر مذکورہ بالا چار غلط فہمیاں دور کرنے میں کامیاب ہو گئے تو پاکستان کا مستقبل روشن ہو جائے گا۔ ہم صدر مشرف سے بصد ادب یہ عرض کریں گے کہ اگرچہ یہ بات درست ہے کہ اس رُخ پر وہ جو بھی قدم اٹھائیں گے وہ یقیناً ہمارے مغربی آقاؤں یعنی ابلیسی قوتوں کو خوش کرنے کا موجب بنے گا لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ اس طرح پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو منہدم کر کے اور اسلام دشمن طاقتوں کے دیگر ایجنڈے کو مکمل کر کے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حفاظت کا سامان کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ صدر مشرف جو کچھ کر رہے ہیں وہ تو امریکی ایجنڈے کا حصہ ہے ہی' امریکہ کے سر پر مسلط آسیب اس سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوگا کہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناکارہ بنا دیا جائے یا ان پر کنٹرول حاصل کر لیا جائے۔ وہ اپنے اس ہدف کو حاصل کئے بغیر پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں ——ہاں اپنے ہمہ جہت ناپاک ایجنڈے کے مختلف پہلوؤں کی تکمیل میں آپ سے ممکنہ حد تک کام لینے کے بعد اندیشہ ہے کہ وہ آپ کو اسی طرح نشانِ عبرت بنا دیں گے جیسا کہ اس سے قبل شہنشاہ ایران اور پھر صدر ضیاء الحق کو بنایا گیا تھا۔

حذر اے چیرہ دستاں' سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!

دعوتی و تربیتی پروگرام

4 جون تا 8 جون

حلقہ بلوچستان کے زیر اہتمام چار روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام کا انعقاد ہو رہا ہے۔

برائے رابطہ: امیر حلقہ بلوچستان

28 سید بلڈنگ بالمقابل پبلک ہیلتھ سکول

جناح روڈ' کوئٹہ

سونیا گاندھی کا انکار۔ حقائق کیا ہیں؟

ایوب بیگ مرزا

یہ خبر کہ سونیا گاندھی نے وزارتِ عظمیٰ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے گزشتہ ہفتہ بھارت سے آنے والی اس خبر سے کہیں بڑی 'ڈرامائی اور سنسنی خیز' تھی کہ کانگریس نے انتخابات میں بی جے پی کو شکست دے دی ہے۔ ہمارے ہاں اخباری اداریوں میں اور کالم نویسوں کے تجزیوں میں سونیا گاندھی کے اس ایثار کو بہت سراہا گیا ہے اور اس رویہ کو بھی بھارتی جمہوریت کا ایک معجزہ قرار دیا ہے۔ اور اپنے سیاست دانوں اور حکمرانوں کو کوسا گیا ہے کہ ملک کے مفاد کو عزیز رکھتے ہوئے انہیں اس طرح کے جرأت مندانہ فیصلے کرنے کی کبھی توفیق نہیں ہوئی۔

راقم کی رائے اس مسئلہ میں مختلف ہے بھارت میں انتخابی نتائج کے بعد اور سونیا گاندھی کے انکار تک جو کچھ ہوا ہے میرے نزدیک اس میں کوئی شے قابل ستائش نہیں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت میں حالیہ انتخابات جس انداز میں منعقد ہوئے ان میں عوام نے اپنی جس بے پناہ اور تختہ پلٹ دینے والی قوت کا اظہار کیا ہے الیکشن کمیشن اور انتظامیہ نے جس قدر غیر جانبداری اور دیانت داری کا مظاہرہ کیا ہے سابق حکمرانوں نے جس طرح اس عوامی فیصلے کے سامنے ہتھیار ڈالے اور بغیر کسی عذر کے شکست کو تسلیم کیا ہے۔ تیسری بڑی جماعت یعنی کمیونسٹ جماعت جس کے پاس ایوان میں 63 نشستیں ہیں اس نے سب سے بڑی جماعت یعنی کانگریس کو جس طرح غیر مشروط اور بلالالچ تعاون پیش کیا ہے یہ سب کچھ اگرچہ قابل صد ستائش اور قابل رشک ہے۔ لیکن سونیا گاندھی کا وزارتِ عظمیٰ قبول کرنے سے انکار کرنا یا بعض دیکھی اور ان دیکھی قوتوں کا ایسے حالات پیدا کر دینا کہ سونیا گاندھی اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کرنے پر مجبور ہو جائیں یہ کسی طرح بھی ملک کے مفاد میں نہیں تھا اور نہ ہی جمہوریت کی اعلیٰ اقدار کے مطابق تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اپنے اصل موضوع پر اظہار خیال کروں کہ سونیا گاندھی کے انکار کا منظر و پس منظر کیا ہے؟ میں شکست خوردہ پارٹی بی جے پی کے پارلیمانی سربراہ واجپائی اور تیسری بڑی پارٹی یعنی کمیونسٹ پارٹی کے طرزِ عمل کا ذکر کرنا اور اس کا پاکستان کی دوسرے اور تیسرے نمبر کی پارٹی کے ساتھ موازنہ کرنا ضروری سمجھوں گا۔ فرض کریں کہ جس ترتیب سے بھارت میں سیاسی جماعتوں کو نشستیں ملی ہیں یعنی حکمران پارٹی دوسرے نمبر پر رہی 'بڑی اپوزیشن سب سے زیادہ نشستیں لے گئی' البتہ وہ اپنے تئیں سادہ اکثریت بھی حاصل نہ کر سکی اور ایک تیسری پارٹی کے پاس اتنی نشستیں ہیں کہ وہ حکومت سازی میں فیصلہ کن رول ادا کر سکتی ہے۔

یہ صورت حال اگر پاکستان میں ہوتی تو کیا ہوتا؟ یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے کہ سیاسی سطح پر کہرام مچا ہوتا۔ اولاً تو یہ مفروضہ قائم کرنا ہی بہت دشوار ہے کہ پاکستان میں کوئی حکومت اپوزیشن سے کم نشستیں لے ستاون سال میں یہ تو ہوا کہ بھٹو نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کو اکثریتی ووٹ کی بنیاد پر حکومت بنانے اور کرنے کا موقع ملا لیکن آج تک عوامی ووٹ میں اتنی قوت پیدا نہیں ہوئی کہ وہ وقت کے حکمرانوں کو تبدیل کر کے اپوزیشن کو برسر اقتدار لے آئے۔ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے کہ آیئے فرض کر لیں پاکستانی اپوزیشن کو حکومت سے 28 نشستیں زیادہ ملی ہوتیں تو کیا ہوتا' کچھ اس طرح کے بیانات اخبارات میں پڑھنے کو ملتے حکمران کہہ رہے ہوتے کہ ''حکومت ہم ہی بنائیں گے اپوزیشن کے بہت سے ارکان جلد ہم سے آ ملیں گے''۔ اپوزیشن کہہ رہی ہوتی کوئی مائی کا لال ہم سے حکومت کرنے کا حق نہیں چھین سکتا۔ ہم بائیکاٹ کریں گے' ہم دھرنا دیں گے وغیرہ وغیرہ اور جس پارٹی کی تیسری پوزیشن ہوتی اس کا قائد مونچھوں کو تاؤ دے رہا ہوتا۔ کبھی اس کے دربار میں حکمران حاضری دیتے اور کبھی اپوزیشن اور یہ صاحب کسی کو کچھ شرائط پیش کر رہے ہوتے اور کسی کو کچھ تاثر دیتے کہ وہ حکومت سازی میں پہلی پارٹی کا ساتھ دیں گے اور کبھی دوسری پارٹی کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے اور یہ بھی کوئی بڑی بات نہیں کہ یہ شرط پیش کر دی جاتی کہ جو ہمیں وزیر اعظم بنائے گا اس کا ساتھ دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بھارت میں کیا ہوا واجپائی کو ایک اہم ممبر نے حکومت سازی کے لئے ممبر توڑنے کا مشورہ دیا لیکن واجپائی نے اس کو زبردست جھاڑ پلائی اور فوری طور پر عوامی فیصلہ پر لبیک کہتے ہوئے صدر کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ تیسری بڑی جماعت نے سب سے بڑی جماعت کو غیر مشروط تعاون پیش کر دیا اور حکومت کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔ اس سے کانگریس کو زیادہ سے زیادہ اپنے ارکان کو ذمہ داریاں دینے کا موقع مل گیا۔

اب آیئے تازہ ترین صورت حال کی طرف کہ سونیا گاندھی نے وزیر اعظم بننے سے انکار کر دیا ہے اور ہمارے ہاں تجزیہ نگار گزشتہ ہفتہ کے اچھے اقدام کی رو میں بہہ کر سونیا گاندھی کے وزارتِ عظمیٰ قبول کرنے کے انکار کو نیک جذبہ اور اعلیٰ درجہ کا ایثار قرار دے رہے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر یہ فیصلہ کسی اصول کے تحت اور خالصتاً ملکی مفاد میں سونیا کے خاندان کا اپنا فیصلہ ہے تو ایک دن پہلے پارلیمانی پارٹی کی لیڈر کیوں بنیں؟ پھر یہ کہ جب اپنے فیصلے کا اعلان کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر کیوں رو دیں' اگر یہ ان کا اپنا اور سوچا سمجھا فیصلہ تھا تو اس پر اتنا شدید جذباتی ردعمل نہیں ہو سکتا تھا۔

اگلے روز جب من موہن سنگھ کے وزیر اعظم ہونے کا اعلان کیا گیا تو اس موقع پر من موہن سنگھ کے ساتھ ان کی تصویر اخبار میں شائع ہوئی ہے۔ اس تصویر میں ان کے چہرے پر شدید کرب کی کیفیت نمایاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خوفزدہ ہوئی ہیں بلکہ انہیں خوفزدہ کر کے ان سے یہ عہدہ جو بھارت میں طاقتور ترین عہدہ ہے' چھین لیا گیا ہے۔ ان سے یہ عہدہ چھیننے میں انتہائی متعصب ہندو' خفیہ ایجنسیاں (حساس اداروں کے ایما پر) اور ملٹی نیشنل کمپنیاں پیش پیش تھیں۔

امریکہ کے لئے بھی سونیا گاندھی بہت بڑا مسئلہ بنتی اس لئے کہ ایک مغربی ملک سے پیدائشی تعلق رکھنے والی خاتون کی معمولی سے معمولی ڈیل پر بھی انتہائی باریک بینی کا مظاہرہ کیا جاتا اور جو بات بھی رتی بھر امریکی مفاد میں نظر آتی اس پر طوفان کھڑا ہو جاتا۔ پھر یہ کہ سونیا گاندھی کے بعد چونکہ واضح چانس من موہن سنگھ کا تھا جو عالمی بینک کا سابق ملازم تھا اور گلوبلائزیشن کا قائل ہے' امریکہ کے لئے سیاسی طور پر نہ سہی معاشی طور پر بہت سودمند ہو گا اور عالمی بینک کے ایجنڈے کو آگے بڑھائے گا۔ اس صورت میں من موہن سنگھ کے کمیونسٹ پارٹی سے تعلق کا کیا بنے گا؟ یہ ایک الگ سوالیہ نشان ہے۔

سونیا گاندھی مخالف تمام طبقات کی طرف سے یہ دلیل پیش کی گئی کہ عوام نے ووٹ کانگریس کو دیا ہے سونیا گاندھی کو نہیں' لہٰذا کانگریس کا کوئی پارلیمانی رکن وزیراعظم بنے وہ عوامی فیصلے کے مطابق ہوگا۔ اصولی طور پر اور on paper یہ بات بالکل درست ہے کہ پارلیمانی طرز حکومت میں عوام کسی کو وزیراعظم نہیں بناتے بلکہ وہ کسی پارٹی کو حق دیتے ہیں کہ وہ جسے چاہے اپنی پارٹی میں سے وزیراعظم بنائے' لیکن حقیقی طور پر اور عملی طور پر ایشیا اور خصوصاً جنوبی ایشیا میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ اکثر کسی شخصیت کی وجہ سے کسی پارٹی کو ووٹ ملتا ہے۔ جیسے پاکستان میں بھٹو' نواز شریف اور بے نظیر اپنی پارٹی کی جیت کا باعث بنے۔

عوام واجپائی کو نہیں نہرو خاندان کی نوجوان نسل کو حکمران دیکھنا چاہتے تھے یہ درست ہے کہ 67 کروڑ ووٹ میں سے کانگریس کو زیادہ سے زیادہ 20 یا 22 کروڑ ووٹ پڑیں ہوں گے یعنی نصف سے کم لیکن یہ تو جمہوریت کی ایسی کمزوری ہے جس پر ابھی تک قابو نہیں پایا جاسکا' لہٰذا جو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرے' چاہے وہ نصف سے کم کیوں نہ ہو اسی کی جیت سمجھی جاتی ہے۔ کانگریس کی جیت کے بعد سرمایہ دار اور ملٹی نیشنل کمپنیاں فوری طور پر حرکت میں آگئیں اور انہوں نے بمبئی اسٹیچنج مارکیٹ کو تہس نہس کر دیا اور ایسی تباہی مچائی کہ لوگوں کے اربوں ڈالر ڈوب گئے۔

سونیا گاندھی کے وزیراعظم نہ بننے کو ایک کالم نویس کے مطابق وہاں کے متعصب ہندو نے بھارت پر چوتھا بیرونی حملہ قرار دے دیا۔ ان کے مطابق پہلا بیرونی حملہ آور سکندر اعظم دوسرا محمد بن قاسم تیسرا واسکوڈے گاما اور چوتھی حملہ آور ایک اطالوی خاتون سونیا گاندھی ہوگی۔ اس تعصب کا شکار صرف ان پڑھ ہندو یا انتہا پسند تنظیمیں نہیں تھیں بلکہ پڑھی لکھی ششما سوراج کہہ رہی تھی کہ اگر سونیا گاندھی وزیراعظم بن جاتی تو وہ ان کی وزارت عظمیٰ کے دوران کبھی رنگ دار لباس نہ پہنتی اور اپنا سر منڈا دیتی۔ اوما بھارتی جو ایک بھارتی صوبہ کی وزیراعلیٰ ہیں' اپنا صوبہ چھوڑ کر نئی دہلی میں آ پہنچی تھیں اور سونیا گاندھی کے خلاف ڈٹ جانے کا اعلان کر رہی تھی۔

اہم ترین رول خفیہ ایجنسیوں نے ادا کیا اور ان کے رول کو یقیناً فوجی وردی کی حمایت حاصل تھی انہوں نے یہ تاثر پھیلا دیا کہ انتہا پسند ہندوؤں سے سونیا گاندھی کی بحیثیت وزیراعظم حفاظت ناممکن ہوگی۔ حالانکہ معمول یہ ہے کہ اگر کسی حلقہ سے اعلیٰ ترین شخصیت کی سیکورٹی کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کیا جائے تو یہ ایجنسیاں اس کی سختی سے تردید کر کے یہ یقین دلاتی ہیں کہ اعلیٰ ترین شخصیت کی حفاظت کے انتظامات مکمل اور بہترین ہیں لیکن اس موقع پر خود ایجنسیاں یہ تاثر دے رہی تھیں کہ سونیا کی بحیثیت وزیراعظم حفاظت بہت مشکل ہوگی اور ان کی جان کو ہر وقت خطرہ لاحق رہے گا' یہ بات اتنی اچھالی گئی کہ سونیا گاندھی کا خاندان خصوصاً بچے چیخ اٹھے کہ ہمیں ایسا منصب نہیں چاہئے جو پہلے ہمارے باپ اور دادی کی جان لے چکا ہے اور اب ہماری ماں کو نگل جائے۔

علاوہ ازیں جب سونیا گاندھی پہلی بار صدر مملکت سے ملاقات کرنے گئیں تو عبدالکلام نے عجیب وغریب آئینی موشگوفیاں شروع کر دیں جس میں اس آرٹیکل کا ذکر بھی تھا جس کے تحت غیر ملکیوں سے ہندوستان کے اعلیٰ عہدہ دار شادی نہیں کر سکتے تھے حالانکہ اس کا کسی طرح بھی سونیا گاندھی پر اطلاق نہیں ہوتا تھا' لیکن شاید صدر کو بھی وردی والے پٹی پڑھا چکے تھے۔ وردی والوں کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ کسی طرح ایک غیر ملکی عیسائی خاتون کو سلیوٹ کرنے کو تیار نہیں تھے۔

بہرحال اگر سونیا گاندھی وزیراعظم بننے کے لئے مُصر رہتی تو کوئی بڑی سے بڑی قوت بھی انہیں روک نہیں سکتی تھی کیونکہ بھارت میں ہر کوئی جانتا ہے کہ ان کی عدلیہ اتنی آزاد ہے کہ وہ کسی بڑی سے بڑی قوت کا غیر آئینی حکم یا طرز عمل رد کر سکتی ہے اس نے بڑوں کا ساتھ دینے کے لئے کبھی نظریہ ضرورت کا سہارا نہیں لیا لہٰذا سونیا کے ڈٹ جانے پر تمام قوتیں خود بخود پسپا ہو جاتیں یہ ساری صورتحال سونیا گاندھی کے سامنے تھی لیکن وہ ایک متنازعہ وزیراعظم نہیں بننا چاہتی تھیں' علاوہ ازیں انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اگر وزیراعظم کا عہدہ ان تمام قوتوں کی مخالفت کے باوجود انہوں نے حاصل کیا تو انہیں کسی طرف سے تعاون حاصل نہیں ہوگا' جس سے وہ لازماً ناکام ہو جائیں گی۔ اس طرح مستقبل میں نہ صرف کانگریس بلکہ نہرو خاندان کو سیاسی طور پر نقصان ہوگا۔

راقم کی رائے میں انہوں نے راستے سے ہٹ کر مستقبل میں راہول کا راستہ ہموار کیا ہے۔ ✿

بقیہ: عالم اسلام

کا تحفظ سب سے کم ہوتا ہے۔ یہ پڑھ کر جی چاہتا ہے' ان سے کہا جائے ''پہلے اپنے گریبان میں تو جھانک لو''۔

آج مغربی معاشروں میں عورت کی جو حالت ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ وہاں اسے ایک کھلونا بنا دیا گیا۔ جب چاہا کھیل لیا جب چاہا توڑ دیا۔ عورت کی اس سے زیادہ توہین بھلا ممکن ہے؟ اب اسلامی معاشروں کو دیکھئے' ترکی جیسے بظاہر لادینی ملک میں بھی (گو وہاں کا معاشرہ اب بھی بہت حد تک اسلامی ہے) عورت کی بڑی عزت کی جاتی ہے خصوصاً ماں کی جو اپنے گھر اور خاندان میں باپ کے بعد سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ برصغیر پاک وہند میں تو عورت سے تقدس بھرے جذبات وابستہ ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کچھ مسلمان غیر ملکی بیویوں سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ اسلامی ممالک میں بھی ایسے مرد ہیں جو اپنی شریک حیات کو اذیت دیتے ہیں مگر ان کچھ گندی مچھلیوں کو دیکھ کر صاف ستھرے تالاب کو گندہ قرار دے دینا کہاں کا انصاف ہے؟

پھر یہ دیکھئے کہ رومن کیتھولک دنیا میں کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ روانڈا میں ننوں اور راہبوں نے لوگوں کو اپنے مخالفوں کے قتل عام پر ابھارا۔ یاد رہے کہ اب تک ان ہنگاموں میں اسی ہزار افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روانڈا میں کیتھولک اب اسلام قبول کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کا حقیقی چہرہ دیکھ لیا ہے۔

مزید براں دنیا بھر میں امریکیوں' برطانیوں' اسرائیلیوں' روسیوں وغیرہ نے جو ظلم ڈھائے ہیں ان کا ذرائع ابلاغ میں کبھی چرچا نہیں ہوا لیکن چند مسلمان مردوں نے عیسائی بیویوں کے ساتھ برا سلوک کر دیا تو قیامت آگئی (پتا نہیں اس الزام میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ)

مانا کہ اسلامی ممالک کی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ انسانی حقوق کی طرف توجہ دیں اپنے معاشروں کی حالت بہتر بنائیں مگر کیا امت مسلمہ کے موجودہ زوال کا ذمہ دار اسلام ہے؟ سوچ کر بتایئے کہ کیا روئے زمین پر ایسا کوئی ملک ہے جہاں حقیقی معنوں میں اسلامی قوانین نافذ ہوں؟

جنگ آزادی کے شکست کے اسباب

سید قاسم محمود

پچھلے چند شماروں میں ایسے علمائے دین کے حالات و کوائف پر انحصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے' جنہوں نے دین اسلام کی خدمت کے ساتھ ساتھ 1857ء کی جنگ میں میدانِ کارزار میں انگریزوں کے خلاف حریت و آزادی کے معرکۂ خونین میں مجاہدین کے پہلو بہ پہلو تلوار اٹھائی' گرفتار ہوئے' قید و بند کی مصیبتیں اٹھائیں۔ سخت جسمانی و ذہنی اذیتیں برداشت کیں۔ لمبی قیدیں کاٹیں یا جلاوطن کئے گئے۔ مولوی محمد جعفر تھانیسری' مولانا فضل حق خیر آبادی' حاجی امداد اللہ مہاجر مکی' مولانا رحمت اللہ کیرانوی' مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے حالات اور قربانیوں کا تذکرہ ''ندائے خلافت'' کے سابقہ شماروں (13تا19) میں ہو چکا' ان کے علاوہ اور بھی لوگ ہیں جن کے مجاہدانہ کارناموں کا تذکرہ ہونا چاہئے جن میں مولوی احمد اللہ مدراسی' مولوی عبدالقادر لدھیانوی' مولوی فیض بدایونی' مولوی سرفراز علی' جن کو امام المجاہدین کہا جاتا ہے' مولانا لیاقت علی الہ آبادی' احمد خان کھرل اور حضرت محل وغیرہم شامل ہیں' لیکن یہ سلسلۂ مضامین ''تحریک احیائے اسلام'' کے عمومی کیفیات اثرات و نتائج کے تذکرے تک محدود ہے' چنانچہ اب 1857ء کی جنگ آزادی کا باب ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ مزید مجاہدین کے حالات جاننے کے لئے ان کتب کا مطالعہ کرنا چاہئے جن کے نام اس قسط کے آخر میں درج ہیں۔

تاہم ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے وہ یہ کہ اس جنگ میں' جسے انگریز بغاوت یا غدر کہتے ہیں' مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں نے بھی حصہ لیا تھا۔ انگریزوں کے خلاف جنگ یا بغاوت کرنے کے لئے مسلمانوں کو صرف یہ ایک سبب کافی تھا کہ انگریزوں نے بدعہدی' سازش اور فریب سے ہندوستان پر قبضہ کیا اور ان کو حکومت' آزادی اور اختیار سے محروم کر دیا۔ اپنی چھنی ہوئی آزادی اور خودمختاری واپس لینے کے لئے اگر کوئی قوم ایسی مسلط طاقت کے خلاف بغاوت کرے تو یہ قابل عذر و معذرت نہیں' بلکہ قابل فخر ہے۔ اس کے علاوہ' مسلمانوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف یہ شکایات بھی تھیں کہ اس نے ان کو معاشی حیثیت سے تباہ کر دیا' تعلیم کی راہ میں ایسی رکاوٹیں پیدا کیں کہ اپنے مزاج اور پسند کے مطابق تعلیم حاصل کرنا ناممکن ہو گیا اور مذہب کے معاملے میں اس نے مداخلتیں کیں اور یہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ ناگوار تھا۔ اگر ذرائع اور وسائل مہیا ہوتے تو وہ انگریزوں سے جنگ ضرور کرتے' مگر وہ مہیا نہ تھے۔

ہندو اس وجہ سے ناراض تھے کہ ان کی ریاستوں پر قبضہ کرنے کے لئے' ان ہندو والیانِ ریاست کو' جن کے اولادِ نرینہ نہ ہو' اس حق سے محروم کرنے کی پالیسی اختیار کی' جو ان کو از روئے ہندو مذہب حاصل تھا کہ کسی کو متبنیٰ کر لیں اور ریاست کا وارث قرار دیں۔ 1848ء میں لارڈ ڈلہوزی نے راجہ ستارا اور 1854ء میں راجہ ناگپور اور رانی جھانسی کے خلاف کمپنی کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کو یہ لکھا کہ ان کو متبنیٰ کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور ان کی ریاستوں کا الحاق کیا جائے۔ اس پالیسی کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوؤں کی سات چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر' 1857ء کے ہنگامے سے پہلے' قبضہ کر چکی تھیں۔ قبضہ کرنے کے اس منصوبے کو ڈلہوزی کا ''اصول الحاق'' کہا جاتا ہے۔

اصولِ حق کی زد میں ریاست جھانسی بھی آ گئی۔ یہاں بھی فوج اور عوام نے بغاوت کر کے انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ جھانسی کی رانی لکشمی بائی نے جنگ کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ رانی بہت دلیر خاتون تھی۔ انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ میں پناہ لی۔ رانی نے انہیں بحفاظت ایک مقام محفوظ کے لئے روانہ کیا لیکن قلعے سے کچھ دور جھوکن باغ کے مقام پر انقلابیوں نے تمام انگریزوں کو قتل کر دیا۔ سرہف روز کی کمان میں انگریز فوج نے جھانسی کا محاصرہ کر لیا اور دس دن تک شدید جنگ ہوتی رہی۔ لکشمی بائی کے توپ خانے کا افسر غلام غوث خان بہت طاقتور اور دلیر انسان تھا۔ اس کی زندگی میں انگریز قلعے پر قابض نہ ہو سکے۔ قلعہ کے اندر سپاہیوں کی قلت کی وجہ سے غلام غوث خان تن تنہا ''بھوانی شنکر'' نامی نہایت وزنی توپ کا چھکڑا (گاڑی) قلعہ کے شمالی برجنگ پہنچا کر انگریزوں کے شدید حملے کو ناکام بنا دیا تھا۔

جنگ کے آٹھویں دن غوث خاں گولہ لگ جانے سے ہلاک ہو گیا۔ رانی قلعے میں اس بہادر کی تدفین کے بعد جھانسی چھوڑنے پر آمادہ ہو گئی کیونکہ جھانسی کی ملحقہ ریاست اور چھا کے راجہ اور چند دوسرے غداروں کی وجہ سے قلعے کے بڑے دروازے پر انگریز قابض ہو گئے۔ تانتیا ٹوپے جو جھانسی آنا چاہتا تھا اسے راستے میں شکست ہو گئی۔ لکشمی بائی ایک خفیہ راستے سے قلعے سے باہر نکل گئی اور شہر پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

رانی اور تانتیا ٹوپے نے کالپی کے مقام پر انگریزوں کو گھیر کر ہنگامۂ کارزار گرم کیا اور قریب تھا کہ انگریز ہتھیار ڈال دیں لیکن فوری طور پر کمک پہنچنے سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ رانی اور تانتیا ٹوپے گوالیار کی جانب بھاگ گئے اور شیو پوری کے مقام پر رانی کا پھر انگریزوں سے مقابلہ ہوا اور اس نے بڑی بے جگری سے تیغ زنی کرتے ہوئے شدید زخم کھائے اور زندہ گرفتار ہو کر ہر قسم کی تذلیل سے بچنے کے لئے گھاس کے انبار (کٹیا میں گھس کر) آگ لگا کر جان دی۔ تانتیا ٹوپے کو ایک وطن فروش غدار مان سنگھ نے گرفتار کرا دیا اور انگریزوں نے اسے پھانسی دے دی۔

بنگال اور دیگر مقامات:

بنگال کے متعدد شہروں میں جنگ آزادی لڑی گئی۔ ڈھاکہ اور چٹاگانگ وغیرہ جنگ وانقلاب کے مرکز بن گئے تھے۔ کنول کے پھول کو علامت انقلاب کی حیثیت سے استعمال کیا گیا تھا۔ انقلابی کنول کے پھول فوجی بارکوں اور عوامی اجتماع کے مقامات پر لے جاتے تھے اور جو اشخاص انہیں چھو لیتے تھے وہ اسی وقت جنگ میں شریک ہو جاتے تھے۔ پنجاب اور سرحد کے کئی شہروں میں جنگ آزادی کی لہریں پہنچ گئی تھیں لیکن اول تو اس زمانے میں پنجابی فوج صرف سکھوں پر مشتمل تھی' دوسرے تھوڑے بہت مسلمان سپاہیوں کو ہر شہر میں غیر مسلح کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان صوبوں میں کوئی فوجی یا سیاسی قائد ایسا نہ تھا جو عوامی قیادت کے فرائض انجام دیتا۔ چنانچہ پنجاب' سرحد اور سندھ سے تھوڑے بہت سپاہی دہلی پہنچ کر جنگ آزادی میں شریک ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ ان صوبوں میں کوئی شورش برپا نہیں ہوئی۔ نظام دکن

ناکامی کے اسباب:

(1) جنگ آزادی صرف شمالی برصغیر تک محدود رہی۔ اس تحریک کی قیادت بہادر شاہ ظفر کے ہاتھ میں دے دی گئی تھی جو بالطبع جنگجو نہ تھا۔ نیز معمر ہونے کی وجہ سے اس کی قوت عمل میں ضعف نمودار ہو چکا تھا۔ فوجی قیادت شہزادہ مرزا مغل کو سونپ دی گئی تھی۔ جس نے اپنی ناتجربہ کاری اور خودسری کی وجہ سے جنرل بخت خان اور شہزادہ فیروز شاہ جیسے قائدین جنگ کے منصوبوں اور تجویزوں سے ہر قدم پر اختلاف کیا۔ دہلی کی شکست کا جنگ کے تمام ضمنی مراکز پر بہت برا اثر پڑا اور لوگ شکست سے پہلے ہی نفسیاتی طور پر شکست وہزیمت پر آمادہ ہو گئے۔

(2) جنگ آزادی کا اچانک آغاز ہوا تھا اور قائد بہادر شاہ ظفر کو 11 مئی 1857ء سے قبل اس امر کے کسی امکان کا اندازہ نہ تھا کہ اس کے کمزور شانوں پر برصغیر کی سب سے فیصلہ کن جنگ کا بار پڑنے والا ہے۔ ایسی صورت میں بہادر شاہ نے جس ذاتی ہمت اور شخصی استقامت کا ثبوت دیا وہی بہت کافی تھا۔ کیونکہ خزانہ خالی ہونے نیز رسل ورسائل اور مواصلاتی خطوط قائم کئے بغیر چند ماہ بھی جنگ جاری نہ رکھی جا سکتی تھی۔ اس کے علاوہ حکیم احسن اللہ اور الٰہی بخش جیسے نمک حرام اور بااثر لوگ اس کے معتمد بنے ہوئے تھے۔ اگر کسی عنوان سے دہلی میں جہاد انقلاب کامیاب ہو جاتا تو آج برصغیر کی تاریخ یکسر مختلف ہوتی۔

(3) برصغیر کے لوگ مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد اخلاقی انحطاط کا شکار ہو گئے تھے۔ ہندوؤں میں تو سکندر اعظم کے زمانے سے غدار پیدا ہو رہے تھے لیکن اس دور کے مسلمانوں میں بھی غداروں، بے ایمانوں اور وطن فروشوں کی کمی نہ تھی۔ چنانچہ انگریزوں نے ہر جگہ اس نوع کے ننگِ دین اور ننگِ وطن ہندو مسلم غداروں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔

(4) گورکھوں اور سکھوں کے تعاون نے انگریزوں کی یقینی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ انگریزوں نے جنگ آزادی سے صرف چند سال قبل سکھوں کی حکومت کا خاتمہ کر کے انہیں ذلت خیز شکست دی تھی۔ لیکن انہوں نے مسلمانوں کے خلاف سکھوں کی وحشیانہ نفرت کے پیش نظر انہیں مسلمانوں سے تشفی بخش طور پر انتقام لینے کا موقع دینے کا وعدہ کیا۔ لہٰذا سکھ اپنے مفروضہ دشمنوں کے خلاف ہندوستان کی آزادی کے حقیقی دشمنوں کے طرفدار ہو گئے۔

(5) آزادی کے لئے تلوار اٹھانے والوں کو مضبوط اور مستعد قیادت میسر نہ آ سکی اس کے علاوہ ان کی مساعی اور کوششوں میں کوئی ربط قائم نہ ہو سکا اس کے برعکس انگریز فوج کے سپاہی اعلیٰ عسکری تربیت کے حامل تھے اور انہیں آزمودہ کار جرنیلوں کی قیادت میسر تھی۔ اگر مضبوط قیادت کی وجہ سے مختلف مقامات کے انقلابیوں کے مابین رابطہ اور ہم آہنگی پیدا ہو جاتی تو 46 ہزار انگریز پچاس ہزار گورکھوں اور سکھوں کی مدد سے ہندوستان کے کروڑوں عوام اور ایک لاکھ سے زیادہ انقلابیوں پر غالب نہ آ سکتے تھے۔

نتائج:

جنگ آزادی کی ناکامی مسلم انڈیا کی تاریخ کا بہت بڑا سانحہ تھی' اس کے نتیجے میں سارا ملک تاج برطانیہ کے ماتحت ہو گیا اور کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ اس جنگ میں سات ہزار انگریز اور پانچ لاکھ ہندوستانی ہلاک ہوئے۔ انگریز فوجیوں اور سکھوں کی بربریت سے جتنے افراد موت کے گھاٹ اتر گئے اور ان کی تعداد کا کوئی تخمینہ یا اندازہ نہیں لگایا گیا۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی عظمت و عروج کی تمام علامتوں کو ختم کرنے کے لئے جو وحشیانہ طریقے اختیار کئے ان کا تفصیلی ذکر خارج از بحث ہے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اپنی ذاتی نفرت اور انگریزوں کے ایما پر دہلی کے تمام خوبصورت مسلمانوں کو چن چن کر ہلاک کر دیا تاکہ مسلمانوں میں حسن صورت کا تفوق بھی باقی نہ رہے۔ تمام کتب خانے جلا دیئے گئے اور بے شمار اہل علم و فضل کو محض اس بنا پر تہ تیغ کر دیا گیا کہ کہیں وہ آگے چل کر فکری قیادت اور انگریزوں کی غلامی کے خلاف عوامی رہنمائی کا آغاز نہ کر دیں دہلی کی تمام تر آبادی کو شہر سے باہر نکال دیا گیا۔ انگریز حکومت نے مدفون خزانوں کے حصول کی خاطر بے شمار عمارتیں کھدوا دیں۔ دہلی کے امراء کے تمام باغات اور محلات کھدوا کر ہل چلوا دیا گیا۔ لال قلعے کی بہت سی خوبصورت تعمیرات منہدم کر کے فوجی بارکیں بنوا دی گئیں' اس کے علاوہ تمام قدیمی عمارات کے انہدام کی تجویز زیر بحث لائی گئی جسے محض اخراجات' یعنی مزدوروں کی اجرت وغیرہ کے پیش نظر روبہ عمل نہیں لایا گیا۔ مساجد کی انتہائی بے حرمتی کی گئی۔ بمبئی کے گورنر الفنسٹن کے لفظوں میں انگریزوں کی درندگی کے مقابلے' تیمور اور نادر شاہ کے حملے تماشا بن کر رہ گئے۔

انگریز حکومت کو کمپنی کی غلط اور ظالمانہ حکمت عملی کا احساس تھا اس کے علاوہ سرسید نے کمپنی کے ارکان کی غلطیوں کی نشان دہی کی چنانچہ ملکہ وکٹوریہ کے نومبر 1858ء کے فرمان میں ڈلہوزی کے اصول الحاق کا خاتمہ کر کے والیانِ ریاست کو مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے علاوہ حکومت میں ہندوستانیوں کی نمائندگی کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ☆ (جاری ہے)

PRESS RELEASE

پریس ریلیز

ابلیسی تہذیب

موجودہ عالمی تہذیب دراصل دجالی فتنہ اور ابلیسی تہذیب ہے جو اللہ سے بغاوت پر مبنی ہے۔ اس دجالی تہذیب سے سازگاری اختیار کرنا ابلیس کے ٹولے میں شامل ہونے کے مترادف ہے۔ یہ بات امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کا ہم سے تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی زمین پر اس کے قانون کو قائم و غالب کریں۔ اللہ ہمیں حیاء، منصفانہ معاشی نظام اختیار کرنے اور اس دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو مقصود بنانے کا درس دیتا ہے جبکہ شیطان بے حیائی، سود اور جوئے کے ذریعے انسان کو معاشی حیوان بنانا چاہتا ہے، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ چاہتا ہے کہ ہم آخرت کو بھول کر اس دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر رہ جائیں، جو اقوام یا اشخاص ابلیس کے ان مقاصد کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہیں وہ دراصل ابلیس کے ایجنٹ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ابلیسی طاقتیں چاہتی ہیں کہ ہم اپنے ملک کے قانون سے ناموس رسالتؐ ایکٹ کو ختم کر دیں، حالانکہ ایک مسلم معاشرہ نبی اکرمؐ کی عزت و ناموس کی بنیاد ہی پر قائم ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے حکمران ابلیسی قوتوں کے بہکاوے میں آ کر کوئی غلط قدم اٹھانے سے پہلے سوچ لیں کہ اس کے نتائج انتہائی ہولناک ہوں گے۔

حافظ عاکف سعید نے کہا یہ کہنا کہ ہم القاعدہ کے مجاہدین کو ختم کر کے دم لیں گے دراصل ابلیس اور اس کی ذریت کے ایجنڈے پر عمل درآمد کے مترادف ہے۔ جبکہ دنیا کے اس معرکہ خیر وشر میں آخرت کے اعتبار سے کامیاب وہی ہے جو شیطان کی مخالفت کرے اور اللہ کے وفاداروں اور اس کے ماننے والوں میں شامل ہو۔ لہٰذا ہمیں فیصلہ کرنا چاہئے کہ ہمیں کس کا ساتھ دینا ہے۔ لیکن جس طرح ماضی میں ہم نے طالبان حکومت کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا، اگر آئندہ بھی یہی روش جاری رکھی تو ہماری دنیا بھی برباد ہو گی اور آخرت میں بھی ناکامی وخسران سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(ڈاکٹر عبدالخالق' ناظم نشر واشاعت' تنظیم اسلامی)

توکل علی اللہ

تحریر: جناب رحمت اللہ بٹر' ناظم دعوت' تنظیم اسلامی' پاکستان

❁ ایمان کا اصل حاصل توکل علی اللہ ہے۔ یعنی جب معلوم ہے کہ تمام کائنات کی زمام کار اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (ھود: 11) ہے اور عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بھی تو اصل تو وہ ذات ہے جس پر بھروسا ہونا چاہئے۔ اس لئے قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾

(آل عمران:160)

''اور مومنوں کو اللہ ہی کی ذات پر بھروسا ہونا چاہئے''۔

ایمانداروں کا توکل اس کو نہیں کہتے کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے اور چاہے کہ بس اللہ کافی ہے اور میرا اس پر بھروسہ ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ﴾

(الحدید:7)

''اے ایمان والو! ان (جان و مال) کو کھپاؤ جن پر ہم نے تمہیں خلافت دی ہے یعنی اختیار دیا ہے''۔

مطلب ہے کہ اپنے اوقات کار صلاحیتیں اور وسائل جو ہم نے مہیا کئے ہیں ان کو کھپاؤ لیکن یہ مت سمجھو کہ یہی کام نکالنے والے ہیں بلکہ اصل چیز مشیت الٰہی ہے جس پر انحصار ہونا چاہئے کہ اصل تو تاثیر ڈالنے والا اور نتیجہ نکالنے والا وہی ہے اور اگر واقعی یہ یقین حاصل ہو جائے تو بیڑا پار ہے۔ لیکن یہ یقین حاصل کیوں نہیں ہوتا۔ اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ہم نے اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں' قوت کار اور وسائل کو اس کے فرمان کے مطابق نہیں لگایا ہوتا۔ اگر واقعی اس کی بندگی میں ان کو کھپایا ہو تو پھر دل بھی مطمئن ہوتا ہے اور اللہ پر توکل بھی۔ اور ایسی ہی حالت کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝﴾ (الطلاق:3)

''اور جو کوئی اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو پورا کرتا ہے اپنا معاملہ لیکن اس نے تمام چیزوں کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے''۔

اس کا اظہار ہوا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب وہ بنی اسرائیل کو اللہ کے حکم سے لے کر نکلے اور سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور پیچھے سے فرعون لاؤ لشکر کے ساتھ پہنچ گیا تو بنی اسرائیل کا خوف دیدنی تھا اور انہوں نے گویا یہاں تک کہہ دیا کہ اچھی جگہ لا کر مروایا ہے آپ نے ہمیں۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پر توکل کا اظہار کیا:

﴿فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝﴾ (الشعراء:61`62)

''جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کہنے لگے' ہم تو پکڑ لئے گئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے' وہ مجھے راستہ دے گا''۔

اور یہی فرمایا تھا نبی اکرم ﷺ نے غار ثور میں جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پکڑے جانے کا احتمال ظاہر کیا۔

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

(التوبة:40)

"(اے مسلمانو) اگر تم ہمارے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے تو اس وقت بھی اس کی مدد کی تھی جب کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکال دیا تھا جبکہ وہ دو میں سے دوسرے (ایک ابوبکرؓ اور دوسرے خود رسول اللہ ﷺ) تھے غار میں اور وہ فرما رہے تھے اپنے ساتھی سے غم نہ کھاؤ بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے''۔

اور اس بھروسہ کے لئے موزوں بھی وہی ذات ہے جو الحی القیوم ہے' جیسے فرمایا گیا:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ﴾ (الفرقان: 58)

''اور بھروسہ رکھو اس پر جو زندہ ہے اور اس پر موت نہیں آئے گی اور اسے تمام عیبوں کمزوریوں سے مبرا مانو اور تمام شکر اسی کے لئے خاص کر لو''۔

اس واقعہ کو حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمایا ہے:

''میں نے دیکھا مشرکین کے پاؤں کو غار کے اوپر جب ہم نماز میں تھے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کسی ایک نے بھی اپنے پاؤں کے نیچے جھانکا تو ہم نظر آ جائیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوبکر تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ ہو؟''

(متفق علیہ)

اسی حقیقت کو نبی اکرم ﷺ نے اپنے فرمان میں یوں واضح فرمایا ہے جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

''اے صحابہ اگر تم واقعی اللہ کی ذات پر بھروسا رکھو جیسا توکل کا حق ہے تو تم اسی طرح رزق دیئے جاؤ گے جیسے وہ پرندوں کو رزق عطا کرتا ہے کہ صبح کو خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ سے واپس لوٹتے ہیں''۔

اسی لئے نبی اکرم ﷺ جب بھی گھر سے نکلتے تو یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے اور اسی کی تلقین کی ہے تمام ایمان والوں کو۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ جب بھی گھر سے نکلتے تو فرماتے: ''اللہ کے نام سے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے۔ اے اللہ! میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا کوئی مجھے گمراہ کر دے یا بہک جاؤں یا مجھے کوئی بہکا دے' میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے یا میں جہالت کا مرتکب ہوں یا کوئی میرے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔''

(رواہ ابوداؤد و ترمذی)

اوھام پرستی' مادہ پرستی' تعویذ گنڈے

اوہام پرستی میں علم جفر و رمل ہے جو قیافہ پر مشتمل ہوتا ہے اور انسان کے دل میں شکوک پیدا کر دیتا ہے اور وہ ستاروں' ہاتھ کی لکیروں کا فقیر بن جاتا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ اس دور میں مادی وسائل کا ہے کہ انسان ان کے اوصاف کو مستقل سمجھ بیٹھا ہے اور اسی لئے اس کی اقدار بدل گئی ہیں۔ وہ دنیاوی وسائل رکھنے والوں سے تو ڈرتا ہے لیکن ان وسائل کو پیدا کرنے والے سے نہیں ڈرتا اور اسی لئے صاحب وسائل کی اطاعت کرتا ہے اور حقیقی خالق

مالک کی اطاعت نہیں کرتا اور اس کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ اصل قدر صاحب اختیار اور سرمایہ دار کی ہے اللہ والے اور صاحب تقویٰ کی نہیں ہے۔

تیسری چیز جو عام ہوگئی ہے وہ ہے بعض اشیاء' دنوں' مہینوں کے بارے میں یہ گمان کہ ان کے اندر نحوست ہے اور اس کے اثرات انسان پر پڑتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے نہ معلوم صبح کس نحس شخص کا چہرہ دیکھا ہے کہ معاملات میں نقصان ہی ہو رہا ہے۔ آج کالی بلی آگے سے گزر گئی ہے اس لئے ضرور کوئی معاملہ بگڑے گا۔ آج کوا منڈیر پر بول رہا ہے کوئی مہمان آنے والا ہے۔

اسی طرح عربوں کے ہاں مشہور تھا کہ ان چیزوں میں نحوست ہے جس کی نفی نبی اکرم ﷺ نے کی۔ حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''نہ چھوت چھات ہے' نہ الو کے بولنے کی حقیقت ہے اور نہ صفر کے منحوس ہونے کی دلیل ہے''۔ (متفق علیہ)

یعنی کوئی بیماری بغیر مشیت الٰہی کے ایک سے دوسرے کو لگتی ہے اور نہ ہی اس مقتول کے دماغ سے الو پیدا ہوتا ہے جس کا بدلہ نہ لیا گیا ہو جو منحوس آوازیں نکالتا ہے اور قاتل کا بدلہ لینے پر ابھارتا ہے اور نہ ہی ماہ صفر میں کوئی نحوست ہے۔ یہ سب توہمات ہیں۔

اس قبیل کی چیز ہے تعویذ۔ جھاڑ پھونک وغیرہ۔

یہ چیز بھی انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہے اور اس آدمی کی قدر پیدا ہو جاتی ہے جس سے یہ کام کروایا جائے۔ اگرچہ وہ دم اور پھونک جو اللہ کا کلام یا اسماء حسنیٰ سے کی جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن بہرصورت یہ بھی توکل علی اللہ کے خلاف ہے جیسے فرمایا رسول اکرم ﷺ نے:

''میری امت سے ستر ہزار وہ ہوں گے جو جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے اور وہ ایسے لوگ ہوں گے جو نہ جھاڑ پھونک کرواتے ہوں گے' نہ کرتے ہوں گے اور نہ فالیں نکلواتے ہوں گے بلکہ وہ تو اپنے رب پر ہی بھروسہ کرنے والے ہوں گے''۔

پڑھتا جا' شرماتا جا

قاضی عبدالقادر

☆ بھارت میں ابھی عام انتخابات ہوئے ہیں۔ پورے ملک میں کوئی 50 کروڑ ووٹرز ہیں لیکن ان کے الیکشن میں ہمارے ہاں سے کم اسٹاف ہے۔ وہاں پانچ مرحلوں میں الیکشن کرایا گیا لیکن کسی جگہ سے بھی دھاندلی کا نعرہ نہیں لگا۔

بخلاف اس کے پاس میں صرف چار کروڑ ووٹرز ہیں لیکن بہت بڑا الیکشن کمیشن ہے۔ ملک کی تاریخ میں کوئی الیکشن ایسا نہیں گزرا جس میں دھاندلی اور جانبداری کا الزام نہ لگا ہو اور نتائج عدالتوں میں چیلنج نہ ہوئے ہوں۔

☆ بھارت میں 550 نشستوں پر الیکشن ہو رہا تھا۔ کانگریس اور بی جے پی ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں لیکن کہیں سے بھی کسی بڑے تصادم کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔

اسی دوران کراچی میں قومی اسمبلی کی تین نشستوں پر ضمنی الیکشن ہوئے اور دس بندے مارے گئے۔ سینکڑوں زخمی ہوئے۔

☆ بھارت میں الیکشن کے پانچویں مرحلہ کے ابتدا ہی میں بی جے پی کو اپنی شکست صاف نظر آ رہی تھی۔ دوپہر ہی کو پارٹی کے صدر نے اعلان کر دیا (جبکہ دوپہر ہی کے بعد ہمارے ہاں بوگس ووٹنگ اور مار دھاڑ میں تیزی آتی ہے)

''ہم ہار رہے ہیں' واجپائی شام پانچ بجے استعفیٰ دیں گے'' شام ہوئی تو واجپائی نے وزارت عظمیٰ سے اپنا استعفیٰ صدر مملکت کو پیش کر دیا اور اعلان کیا ''آج ہم ہار گئے لیکن جمہوریت جیت گئی۔ ہم جنتا (عوام) کا فیصلہ قبول کرتے ہیں اور اپوزیشن میں بیٹھیں گے''

جبکہ 550 ارکان کے ہاؤس میں حکومت بنانے کے لئے بی جے پی کو 85 ارکان اور کانگریس کو 28 مزید ارکان درکار تھے۔ یہ کہیں پاکستان ہوتا تو دھمکی اور ''چمک'' کے ساتھ اقتدار کا سبز باغ دکھا کر ''85 پیٹریاٹ'' آسانی سے حاصل کر کے اپنی حکومت جاری رکھ سکتے تھے۔ بلکہ بی جے پی کے ایک مرکزی رہنما اور سابق وزیر پرمود مہاجن نے جب واجپائی کے سامنے مخالف ارکان کی وفاداریاں تبدیل کرانے کی تجویز رکھی تو واجپائی نے ان کی سخت سرزنش کی۔ یہ ہے دنیا کی عظیم بھارتی جمہوریت۔

☆ تازہ خبر ہے کہ سونیا گاندھی نے بھارت کا وزیراعظم بننے سے معذرت کر لی ہے اور من موہن سنگھ کا نام وزارت عظمیٰ کے لئے تجویز کیا ہے حالانکہ اس سے قبل کانگریس کی پارلیمانی پارٹی انہیں اپنا لیڈر منتخب کر چکی تھی۔ پارٹی اور عوام اب بھی ان پر فیصلہ تبدیل کرنے کا شدید دباؤ ڈال رہے ہیں' مگر وہ اب تک اٹل ہیں۔

جبکہ ہمارے ہاں 2002ء کے الیکشن کے بعد مسلم لیگ (ق) کے اندر ہی 13 افراد وزیراعظم بننے کے لئے بے چین تھے اور آج بھی اسلام آباد میں ''ق'' لیگ کے بیسیوں ارکان موجودہ وزیراعظم کی ٹانگ گھسیٹنے اور خود وزیراعظم بننے کی تگ و دو میں لگے ہوئے ہیں —— یہ ہے پاکستانی جمہوریت۔

آخری بات یہ کہ پچھلے دنوں وزیراعظم جمالی نے کہا تھا کہ ہم مغربی جمہوریت کے خلاف ہیں۔ ہماری اپنی جمہوریت ہے۔ تو لوگو! اب لگاؤ ایک نعرہ زور سے (بھارتی) مغربی جمہوریت مردہ باد' پاکستانی جمہوریت زندہ باد۔

یہ تصویریں ہیں تری

خرد کا نام جنوں رکھ دیا' جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

☆ ''پاکستان کی قومی زبان اردو ہے اور اردو رہے گی'' قائداعظم

لیکن عملاً قومی اور سرکاری زبان 57 سال گزرنے کے بعد بھی انگریزی ہی ہے۔

☆ ''کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے'' (قائداعظم)

اور آج قائداعظم کے ''پیروکار'' اس شہ رگ پر چھری چلا کر اس کے حصے بخرے کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔

☆ پاکستان کا قومی کھیل ہاکی ہے۔

لیکن دامے' درمے' سخنے ہر طرح سے سرپرستی کرکٹ کی کی جا رہی ہے۔

☆ پاکستان کا قومی پھول یاسمین (چنبیلی) ہے۔

لیکن ہمارے سرکاری و غیرسرکاری اراکین اپنے کالر پر گلاب کا پھول لگا کر اس کی سرپرستی کرتے ہیں۔

☆ پاکستان کا قومی لباس شیروانی اور شلوار ہے۔

لیکن عملاً انگریزی سوٹ رائج ہے جو ہمارے سرکاری و غیرسرکاری اکابرین ملکی و غیرملکی دوروں اور دعوتوں میں زیب تن کر کے خوشی سے پھولے نہیں سماتے' بلکہ اب اس میں اضافہ کلف لگی وردی کا بھی ہو گیا ہے۔

☆ پاکستان کا مطلب کیا تھا ''لا الٰہ الا اللہ''

مگر ہو کیا گیا ''لاٹھی' گولی' مارشل لاء''

نقطہ نظر

پاکستان سے وابستہ امیدیں اور جوہری دھماکا

سید ابوالحسن علی ندوی

اس وقت پاکستان کو ایک ضرب کلیمی کی ضرورت ہے بلکہ تمام عرب اور اسلامی ملکوں میں بھی زندگی کی نئی روح پیدا کرنے کی ذمہ داری پاکستان پر ہے' جو اسلام' عقائد و حقائق پر ایک نیا یقین' ایک نیا اعتماد' ایک نیا سرور' ایک نیا نشہ' ایک نیا ولولہ عمل' نئی جرأت اندیشہ' ایک نیا لذت کردار' ایک نیا جذب دروں پیدا کرے۔ جس سے ان اونگھتی سوتی قوموں' آمادہ زوال قوموں' ان مرتعش قوموں کو جن کے قدم بھی ڈگمگا رہے ہیں' دل بھی ڈگمگا رہے ہیں' ان کو نئی زندگی' نئے جوش سے آشنا کرے۔ آپ (پاکستانی قوم) کی ذمہ داری صرف اپنے آپ تک محدود نہیں ہے' برصغیر کے مسلمان تعداد کے لحاظ سے تمام عالم اسلام پر فائق ہیں۔ آپ فکری طور پر عالم اسلام کی رہنمائی کے لئے آگے بڑھیں اور اسلام پر اعتماد پیدا کریں۔ اور یہ ثابت کریں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں اسلام چل سکتا ہے' پاکستان ایک معمل تجربہ گاہ ہے جو یہ ثابت کرے کہ اسلامی نظریات اس دور میں چل سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں (ان شاء اللہ) (حدیث پاکستان' صفحہ نمبر 98)

ایک اور جگہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں۔

"پاکستان آج ایک موڑ پہ آ کے کھڑا ہے' کاتب تقدیر قلم کے لئے کھڑا ہے کیا لکھے' بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں کہ اگر ہماری آنکھیں عالم غیب کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں تو ہم دیکھیں گے کہ کاتب تقدیر فیصلہ الٰہی کا منتظر ہے' یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ وہ آپ کا (پاکستانیوں کا) منتظر ہے لیکن فیصلہ الٰہی کا منتظر ہے' اور فیصلہ الٰہی بہت سی چیزوں پر موقوف ہوتا ہے' اس لئے نہیں کہ خدا کسی کا محتاج ہے بلکہ یہ سنت اللہ ہے' سنت اللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ قوموں میں کہاں تک اخلاص ہے' کتنا عزم ہے' کس قدر صلاحیتیں ہیں۔

اگر دیکھنے والی آنکھیں ہوں اور قرآن کا گہرا مطالعہ ہو تو معلوم ہوتا ہے جیسے کاتب تقدیر منتظر ہے' فیصلہ خداوندی کا' بعض اوقات کسی جماعت کے حق میں اور بعض اوقات کسی فرد کے حق میں کہ کیا فیصلہ لکھے؟ بہرحال میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ معاملہ اس وقت پارٹیوں کا نہیں' معاملہ جماعتوں کا نہیں' معاملہ وقتی مصالح کا نہیں' معاملہ ملت اسلامیہ کی تقدیر کا ہے' ہو سکتا ہے کہ عبادات محفوظ ہوں' معاملات میں بہت سی شکلیں محفوظ ہوں لیکن ملت اسلامیہ دنیا کی سیاسی ترازو میں اپنا وزن نہیں ڈال سکتی' بیت المقدس کا مسئلہ ہو یا فلسطین کا مسئلہ ہو' لبنان کا مسئلہ ہو یا قبرص کا مسئلہ ہو (اس وقت بوسنیا' افغانستان' عراق' چیچنیا' کشمیر کے مسائل نہ تھے) آپ دیکھئے کہ پوری ملت اسلامیہ اس بارے میں کوئی اثر نہیں رکھتی' سلطنت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام کا کوئی ملک اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ جس کی ناپسندیدگی' جس کا عدم اتفاق اور جس کا احتجاج کسی بڑی طاقت کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی کسی مسئلہ پر غور کرنے پر آمادہ کرے۔ آپ سب جماعتی مفاد سے بالاتر ہو کر صورت حال کا مقابلہ کریں' زمانہ کے چیلنج کو قبول کریں اور اس کا ہمت و جرأت سے سامنا کریں۔ اور اگر خدا کی طرف سے کوئی موقع ملا تو آپ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں' اگر کوئی فرد' کوئی جماعت دس فیصد بھی اپنے آپ کو اس کا اہل قرار دے کہ وہ آپ کی کوئی خدمت کر سکے تو اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو موقع دیں کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار کرے' مسلمانوں کی تقدیر کی یہ جو لکیریں ہیں ان کو سامنے رکھئے' یہ نوشتۂ دیوار نہیں' نوشتۂ تقدیر ہے' آج یا کل جو بھی موقع آئے تو آپ سارے مفادات پر ملت کے مفاد کو مقدم رکھیں اور آپ ہر اس موقع سے' ہر اس موضوع سے' ہر اس مسئلہ سے کنارہ کشی اختیار کریں' جو کسی قسم کا ذہنی انتشار پھیلائے' اگر اس کے لئے آپ کو اختلافی مسائل کچھ دنوں کے لئے بالائے طاق رکھنا پڑیں تو ضرور رکھیں' فرض اور واجب ہے کہ آپ غیر ضروری بحثوں کو نہ چھیڑیں۔ جیسا ایک امام کعبہ کی ضرورت' جیسا ایک بڑے عالم دین کی ضرورت ہے ویسے حق پسند' انصاف شعار' دردمند' انسان دوست جماعت کی بھی ضرورت ہے۔ (حدیث پاکستان' از مولانا ابوالحسن علی ندویؒ صفحہ ۹)

کیسے سربراہ اور جماعت کی ضرورت؟

فرماتے ہیں "اس وقت ایک ایسے شخص اور جماعت کی ضرورت ہے جو دین و علم اور صلاحیتوں کے اس بچے کھچے سرمائے سے وقت پر کام لے لے اور اس کو ٹھکانے لگائے۔ جو خانقاہوں کا حال اور درس گاہوں کا قال' وہاں کی حرارت اور یہاں کی روشنی سارے عالم میں عام کر دے' جس کے جلو میں چلتی پھرتی خانقاہیں ہوں اور دوڑتے بھاگتے مدرسے' گھوڑوں کی پیٹھ پر عالم ہوں اور محرابوں میں مجاہد' جو دلوں کو ایک بار پھر گرما دے اور ملک میں اس سرے سے اس سرے تک طلب اور دین کی تڑپ کی آگ لگا دے' جو مسلمانوں کی خداداد قابلیتوں اور فطری صلاحیتوں کو ٹھکانے لگائے' جو منتشر افراد سے جماعت' پراگندہ اوراق سے مکمل کتاب' کچے بلکہ گلے ہوئے مال سے بہترین مصنوعات تیار کرے۔

متضاد عناصر' مختلف مزاجوں اور مقابل قبائل کو آپس میں جوڑ کر ان کے اختلاف و تنوع سے نئی قوت حاصل کرے اور ان کو شیر و شکر کر دے۔ ہر قابلیت و ہنر سے دین کا کام لے۔ غرض ہر پرزے کو دین کی مشین میں لگائے اور اپنی اصلی جگہ پر جمائے پھر ہٹی ہوئی چول کو اپنی جگہ پر لا کر ساری مشین کو اس طرح حرکت دے کہ زندگی کا پورا محور گھوم جائے (سیرت سید احمد شہید' از ابوالحسن علی ندویؒ) زندگی کے حقائق سے چشم پوشی کرنے والے حضرات کے لئے ابوالحسن علی ندویؒ نے نتائج واضح کئے ہیں تحریر فرماتے ہیں۔

"جن کے خیال میں زمانہ اور مسائل زمانہ کے شعور و ادراک کی کوئی اہمیت نہیں' نہ اس کی ضرورت ہے اور کہتے ہیں ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم نماز روزے کے پابند ہیں اور ذہن و فکر پر مسلط مسائل یا رجحانات میں الجھنے کی ضرورت ہے نہ افادیت اور نہ ہم اس کے مکلف۔ ان حضرات کے اخلاص میں شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن گردوپیش کے رجحانات سے اغماض' زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں سے اعراض' اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جانا' اسلام کے صحیح فہم کا نتیجہ نہیں' بلکہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے شعور کی بیداری' اس کی تربیت' حقائق و مسائل کی سمجھ' دوست دشمن کی تمیز اور خالی نعروں (Slogans) کے فریب سے اجتناب بھی ضروری ہے تاکہ مسلمان قوم پرستی' نسلی' لسانی یا علاقائی عصبیت اور چالاک سیاستدانوں اور غیر ملکی سازشوں کا شکار ہونے سے بچے رہیں اور ایسا نہ ہو کہ ان کی اپنی سادگی' صحیح دینی شعور کی کمزوری اور فراست ایمانی کی کمی کی وجہ سے دینی فضا بنانے کی ساری کوششیں' شریعت اسلامی کے نفاذ اور اسلامی نظام کے قیام کی جدوجہد مٹی میں مل جائے۔" (اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر)

شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ ''تنظیم اسلامی'' کی سرگرمیاں اور اطلاعات

جلسہ سیرت النبیؐ زیر اہتمام انجمن خدام القرآن کوئٹہ

12 ربیع الاول کی مناسبت سے ہمارے معاشرے میں نبی اکرم ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے مختلف قسم کے پروگرام ہوتے ہیں۔ میلاد کی مختلف محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ گھروں میں ختم قرآن ہوتے ہیں، دیگیں پکا کر سبیلیں لگا کر خیراتیں کی جاتی ہیں۔ یہ سب رسمیں ہیں جنہیں ہم کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور اپنے تئیں یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا حق ادا کر دیا۔ افسوس صد افسوس کہ دنیا میں آج امت مسلمہ کی جو حالت زار اور رسوائی ہے اس کو دیکھتے ہوئے بھی ہماری آنکھیں بند ہیں۔ کوئی مسیحا جگانے والا نہیں۔ کوئی حضور ﷺ کا مقصد بعثت بتانے والا نہیں۔ یہی جذبات اور احساسات تھے جن کی وجہ سے اسرہ کینٹ نے بھی ایک ہلکا پھلکا جلسہ سیرت النبی ﷺ کرنے کا سوچا اور جس کا موضوع ''حضور ﷺ کا مقصد بعثت اور موجودہ حالات'' منتخب کیا۔ چنانچہ اسرہ کینٹ کے تمام رفقاء کو اپنے اپنے علاقے میں ڈور ٹو ڈور ہینڈ بل تقسیم کرنے کی ذمہ داریں سونپی گئیں۔

استقبالیہ کے لئے شعیب احمد، محمد عمران، سلیمان قیوم، چوہدری رشید احمد کے ناموں کا انتخاب کیا گیا۔ سٹیج سیکرٹری کے لئے محمد اسحاق کو چنا گیا۔

ٹھیک 10 بج کر 30 منٹ پر جلسے کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا۔ قاری محمد اسحاق ساقی نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور بعد ازاں انہوں نے جلسے کو منعقد کرنے کی غرض وغایت بیان کی اور اسی گفتگو سے منسلک انجمن خدام القرآن کا مختصر سا تعارف پیش کیا۔ اس جلسے کے روح رواں جناب محترم محبوب سبحانی صاحب امیر تنظیم اسلامی کوئٹہ نے ''نبی اکرم ﷺ کا مقصد بعثت اور موجودہ حالات'' کے موضوع پر بہت ہی جامع اور منظم انداز میں خطاب فرمایا۔ موصوف نے بڑی وضاحت سے اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی کہ نبی اکرمؐ کا مقصد بعثت صرف اور صرف ایک عادلانہ نظام قائم کرنے کے لئے تھا۔ جو انہوں نے 23 سالہ محنت شاقہ کے بعد دنیا کو ایک ماڈل کے طور پر قائم کر کے دکھا دیا۔ آج یہی عادلانہ نظام امت مسلمہ کی نظروں سے اوجھل ہو کے رہ گیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے قرآن کے ذریعے سے صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت، ان کا تزکیہ نفس کیا تھا اور پھر انہیں بیعت کے ذریعے ایک مضبوط اور منظم جماعت میں پرو دیا۔ پھر ان میں حقیقی ایمان قرآن کے ذریعے پیدا فرما کر باطل سے ٹکرا دیا۔ یہی چیزیں ہیں جو آج ہم میں مفقود ہیں۔ جن کی وجہ سے امت مسلمہ کے اندر حقیقی ایمان، ان کی تعلیم و تربیت، ان کا تزکیہ نفس اور بیعت کے نہ ہونے سے ایک منظم جماعت کا وجود نہیں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ آج ساری دنیا کو معلوم ہے کہ امریکہ ظلم کر رہا ہے مگر مسلمان اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود امریکہ سے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ تم ناجائز کر رہے ہو۔ افغانستان میں طالبان کا صرف اتنا قصور تھا کہ انہوں نے شریعت کے نظام کو نافذ کرنے کی ایک ادنیٰ سی جھلک دکھلائی تھی۔ یہ یاد رکھیں کہ آج بھی اگر امریکہ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے نظام عدل و قسط کے قائم ہونے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی مقابلہ کرنے کا متبادل راستہ نہیں ہے۔

آخر میں صدر انجمن جناب محمد ادریس صاحب نے ابن سینا کے پرنسپل محترم مظہر محمود صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا جنہوں نے نہ صرف اپنے اسکول میں ہمیں جگہ دی بلکہ اپنے مکمل اسٹاف کو ہمارے ساتھ ٹینٹ، کرسیاں لگوانے، پانی کا انتظام کرنے، ڈائس اور ساؤنڈ سسٹم کی سہولت بہم پہنچانے میں بھرپور تعاون اور رہنمائی فرمائی۔ صدر انجمن نے تمام آئے ہوئے احباب کا بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس جلسے میں شرکت کی اور غور سے ہمارے پیغام کو سنا۔

پروگرام کے اختتام پر مولانا علاء الدین سجاد صاحب نے عالم اسلام اور اقامت دین کے لئے دعا فرمائی۔ اس جلسے میں کل تعداد 39 تھی۔ جن میں 27 احباب تھے اور 12 تنظیم کے ساتھی تھے۔ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے کیا گیا۔ اس لئے ہم ناامید نہیں ہیں۔ کیا عجب کہ یہ چند لوگ جو آج اس کام کا نقطۂ آغاز بنے ہیں تو کل ان کی محنت سے کام کی ایک مضبوط اور شاندار عمارت کھڑی ہو جائے۔ (انشاءاللہ)

(رپورٹ: سلیمان قیوم، نقیب اسرہ کینٹ، کوئٹہ)

یہ پروگرام مرکز تنظیم اسلامی وہاڑی میں 27 تا 29 اپریل منعقد ہوا۔ ناظم دعوت جناب رحمت اللہ بٹر اور معاون ناظم دعوت جناب اشرف وصی صاحب خصوصی طور پر شرکت کے لئے لاہور سے تشریف لائے۔

تنظیم اسلامی وہاڑی کا تین روزہ دعوتی و تربیتی اجتماع

پروگرام کا آغاز 27 اپریل بروز منگل صبح 9 بجے شروع ہوا اور 29 اپریل بروز جمعرات بعد نماز عشاء اختتام پذیر ہوا۔ پروگرام کی ترتیب کچھ اس طرح تھی۔ صبح 9 بجے تا 1 بجے تک رفقاء تنظیم کا تربیتی پروگرام ہوتا اور نماز مغرب خطاب عام، نماز ظہر کے بعد رفقاء شہر میں دعوت کے لئے پھیل جاتے۔ اس تین روزہ پروگرام میں جناب اشرف وصی صاحب نے رفقاء تنظیم کے سامنے اسلامی انقلاب اور عام انقلاب کا فرق، منہج انقلاب نبویؐ اور فرائض دینی کے جامع تصور پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

پروگرام کے پہلے روز بعد نماز مغرب جناب رحمت اللہ بٹر صاحب نے ''انسان کا مقصد حیات'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ انہوں نے تفصیل سے بتایا کہ انسان کے پیدا کئے جانے کی غرض وغایت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے۔ مالک اور پروردگار ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ انسان کی تمام ضرورتوں (رزق، رہائش، تحفظ) کو پورا کرتا ہے اور حق رکھتا ہے کہ انسان صرف اور صرف اسی کی بندگی کرے۔ دوسرے دن کے خطاب ''امت مسلمہ کا مقام اور فریضہ'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے محترم رحمت اللہ بٹر صاحب نے فرمایا کہ امت مسلمہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فضیلت دی ہے کہ اسے سلسلہ رسالت کی ایک کڑی اور اپنی نمائندگی کا شرف بخشا ہے۔ جتنی بڑی فضیلت ہے اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہے اور یہ ذمہ داری ''شہادت علی الناس'' کی ہے۔ اگر امت یہ فریضہ ادا نہیں کرتی تو اپنے مقام سے گر جائے گی اور اللہ تعالیٰ کسی اور امت کو اس کام کے لئے کھڑا کر دے گا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ بغیر وقت ضائع کئے اس فریضہ ''شہادت علی الناس'' کی ادائیگی کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق بنائیں اور دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔

پروگرام کے آخری روز 29 اپریل بروز جمعرات وہاڑی شہر کے ایک گاؤں چک نمبر 24 W.B کے سکول میں بھی محترم رحمت اللہ بٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ حاضرین کی تعداد تقریباً 30 تک تھی۔ آپ نے دنیوی اور اخروی زندگی کا تقابل پیش کیا اور اخروی زندگی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ چوہدری صاحب نے فرمایا کہ اس دنیا میں انسان کو جو کچھ بھی دیا گیا ہے۔ وہ آزمائش کے لئے ہے کہ آیا وہ دنیا کی لذتوں اور آسائشوں ہی میں گم ہو کر رہ جاتا ہے اور اسے ہی مطلوب و مقصود بنا لیتا ہے یا اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اور آخرت میں کامیاب ہونے کے لئے اس کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انسان کا ہدف اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات ہونا چاہئے۔ حاضرین نے بڑے انہماک سے خطاب سنا۔ خطاب کے اختتام پر شرکاء میں ایک کتابچہ ''تنظیم اسلامی ایک نظر میں'' تقسیم کیا گیا ــــــ اس روز بعد نماز مغرب ''بعثت انبیاء کا مقصد اور نبی اکرمؐ کا خصوصی مقام'' کے موضوع پر جناب ڈاکٹر طاہر خان خاکوانی صاحب امیر تنظیم اسلامی ملتان نے خطاب فرمایا۔ انہوں نے سورۃ الصف اور سورۃ الحدید کی روشنی میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کتابوں اور رسولوں کو اس لئے بھیجتا رہا ہے کہ لوگ عدل اجتماعی پر قائم رہیں اور نبی اکرمؐ کا خصوصی مقام یہ ہے کہ آپ نے انسانی سطح پر جدوجہد کر کے یہ نظام بالفعل قائم کر کے دکھا دیا۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیاد یہ ہے کہ ہم اس نظام عدل اجتماعی کو قائم کرنے کے لئے اپنا تن من دھن قربان کر دیں۔ علاوہ ازیں شہر کی مختلف مساجد میں بعد نماز فجر معزز مقرر حضرات نے درس قرآن بھی دیا۔ خطابات میں حاضرین کی تعداد مجموعی طور پر 85 سے 110 تک رہی۔

تمام رفقائے تنظیم نے بڑی محنت، لگن اور شوق سے لوگوں کو اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔
اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین (رپورٹ: محمد مختار، ملتزم رفیق تنظیم اسلامی، وہاڑی)

حلقہ بہاولنگر کا ماہانہ تربیتی و تنظیمی اجتماع

اس اجتماع کا انعقاد مورخہ 2 مئی کو ہوا۔ اجتماع کے آغاز سے قبل مجلس عاملہ کا اجلاس امیر حلقہ جناب منیر احمد صاحب کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں ناظم تربیت، نقیب اعلیٰ، معتمد حلقہ کے علاوہ نقباء نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں حلقہ کی سطح پر تنظیمی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا گیا۔ حلقہ کی کارکردگی کو مزید بہتر بنانے کے لئے شرکاء سے مشورہ ہوا۔ اجلاس کا اختتام امیر حلقہ کے موجودہ حالات پر تبصرہ اور رفقاء کے لئے ہدایات پر ہوا۔ اس کے بعد اجتماع کا آغاز 11:30 پر ہوا۔ جس میں تقریباً 30 رفقاء واحباب نے شرکت کی۔ اس دفعہ معاون ناظم دعوت محمد اشرف وہمی صاحب کی مصروفیت کی بناء پر شریک نہ ہو سکے۔ ان کی جگہ ناظم تربیت حلقہ بہاولنگر جناب ذوالفقار علی صاحب نے ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا اور میزبانی کے فرائض سرانجام دیئے۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز حافظ غلام مصطفیٰ کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد ذوالفقار صاحب نے نظم جماعت پر سیر حاصل گفتگو کی۔ امیر حلقہ جناب منیر احمد صاحب کو درس قرآن کی دعوت دی۔ انہوں نے سورۃ الکہف کے آخری رکوع پر درس دیا۔

آپ نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ خالص بندگی چاہتا ہے۔ اللہ کے علاوہ سہارا ڈھونڈنے والے سخت ناپسند ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسی طرح جو لوگ دین کی جدوجہد کے لئے کسی جماعت میں شریک ہوں تو ان کو بھی چاہئے کہ وہ جماعت کو سہارا نہ بنائیں کیونکہ نجات کا دارومدار انفرادی اعمال پر ہے۔ لہٰذا ہر ایک اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ اللہ نے کامیابی اس کے لئے رکھی ہے جو دنیا کی زندگی کو ترجیح نہ دے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے بغیر عمل صالح کرے تو وہ اپنے رب سے ملاقات کا حقدار ہوگا۔

اس کے بعد ذوالفقار صاحب نے نبی اکرم ﷺ سے تعلق کی بنیادیں کتابچہ پڑھنے کے لئے گروپ بنائے۔ پھر نماز ظہر اور کھانے کے وقفے کے بعد تیاری کرنے والے رفقاء نے چاروں بنیادوں پر مختصر خطابات کئے۔ پروگرام کے وقفوں کے دوران جناب ذوالفقار صاحب انسان کے مقصد تخلیق اور نبی اکرم ﷺ کے مقصد بعثت اور اس امت کے مقصد وجود پر روشنی ڈالتے رہے۔ جس کا رفقاء کو خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ بعد ازاں تنظیم اسلامی ہارون آباد کے نقیب اعلیٰ جناب محمد عظیم صاحب نے اپنا تعارف کروایا اور تنظیمی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے نظم کی پابندی کی اہمیت کو واضح کیا۔ نئے رفیق امانت علی تابش صاحب کا مختصر تعارف ہوا۔ آخر میں محترم جناب محمد منیر احمد صاحب نے اجتماع کے حاضرین کو موجودہ حالات کی سنگینی اور کرنے کے کام کیا ہے پر گفتگو کی۔ آپ نے کہا کہ ہمیں اب اپنے ایمان کی حفاظت کرنی مشکل ہوگی۔ اس لئے کہ یہ دجالی تہذیب اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے۔ لہٰذا ان حالات میں قرآن کا دامن تھامنا اور سنت رسول ﷺ پر عمل کرنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ آئندہ اجتماع ماہ جون کے پہلے اتوار کو ہوگا۔

(تحریر: سجاد سرور)

تنظیم اسلامی گجرات کا دعوتی پروگرام

تنظیم اسلامی گجرات کا ماہانہ خصوصی اجتماع 10 مئی بروز پیر بمقام مسجد تقویٰ بعد از نماز مغرب ہوا۔ اس میں صرف ایک خطاب ہوا جو کہ ناظم دعوت چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب کا تھا۔ منتخب شدہ موضوع "اسلام کیا ہے؟" پر گفتگو تھی۔

اس اجتماع میں خاص کر اعزازی ندائے خلافت والوں کو دعوت دین دینا مقصود تھا۔ لہٰذا رفقاء کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ خاص طور پر ان احباب کو مدعو کریں۔ مسجد تقویٰ کا ہال تقریباً بھرا ہوا تھا۔ پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوا۔ حافظ زین العابدین جو کہ ملتزم رفیق احسان اللہ صاحب کے اکلوتے بیٹے ہیں انہوں نے تلاوت کی اور حمٰ سجدہ کی آیات کو اپنی آواز سے مزین کیا۔

اس کے فوری بعد رحمت اللہ بٹر صاحب کا بیان تھا۔ تقریباً سوا گھنٹہ جاری رہا۔ پروگرام کے آخر میں سوال جواب کی نشست بھی ہوئی۔ (رپورٹ: شاہد رضا)

ماہانہ درس قرآن (حلقہ خواتین سکھر)

ماہانہ درس قرآن بروز جمعرات 29 اپریل 2004ء کو راقم کی رہائش گاہ واقع شہید گنج گھنٹہ گھر سکھر پر منعقد ہوا۔ جس میں راقم کی اہلیہ نے بعد نماز عصر تا مغرب تک درس دیا۔ موضوع (12 ربیع الاول اور کرنے کا اصل کام تھا) جس میں خواتین کی تعداد تقریباً 32 تھی۔ خواتین نے بڑی توجہ سے درس قرآن سنا اور اس چیز کا اقرار کیا کہ یہ باتیں ہم نے پہلے نہیں سنی تھیں۔ ایک خاتون نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے بیعت فارم بھی بھرا۔

(رپورٹ: سید خورشید، تنظیم اسلامی سکھر)

قارئین توجہ فرمائیں

ماہنامہ میثاق، حکمت قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت کے اجراء/تجدید کے لئے سالانہ زر تعاون بذریعہ منی آرڈر/ڈرافٹ ارسال فرمائیں۔ (یہ نوٹ فرمالیں کہ چیک وصول نہیں کئے جاتے) آپ کی سہولت کے لئے اہم شہروں میں ہمارے ذیلی دفاتر بھی موجود ہیں۔ آپ زر تعاون کی رقم وہاں جمع کرواسکتے ہیں۔ ذیلی دفاتر کی تفصیل نیچے درج ہے۔

1) دفتر تنظیم اسلامی پاکستان، A-67 علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور۔
2) قرآن اکیڈمی DM-55، درخشاں فیز 6، خیابان راحت D.H.A، کراچی۔
3) دفتر تنظیم اسلامی، فلیٹ نمبر 1، حق سکوائر، فرسٹ فلور، بلاک C-13، یونیورسٹی روڈ گلشن اقبال، کراچی۔
4) دفتر تنظیم اسلامی، 11 داؤد منزل، شاہراہ لیاقت، آرام باغ، کراچی۔
5) انجمن خدام القرآن، 18، ناصر مینشن، شعبہ بازار، پشاور۔
6) دفتر تنظیم اسلامی، نمبر 4، سیکنڈ فلور، کینٹ پلازہ، صدر، نوشہرہ کینٹ۔
7) دفتر تنظیم اسلامی، اتفاق پلازہ، فلیٹ نمبر 5، بالمقابل روڈ تیمر گرہ، ضلع دیر پائیں۔

(مدیر مکتبہ خدام القرآن، لاہور)

دعائے صحت کی اپیل

حلقہ پنجاب شمالی کے معتمد جناب عبدالغفور صاحب کی ساس صاحبہ آج کل شدید علیل ہیں۔ قارئین ندائے خلافت اور رفقاء سے ان کے لئے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

دعائے مغفرت

رفیق تنظیم اسلامی جمال احمد صاحب لانڈھی کراچی کی والدہ ماجدہ وفات پا چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، برزخ کی زندگی ان پر آسان فرمائے اور آخرت میں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

draw exactly the same conclusions if we compared the West with Latin America, or sub-Saharan Africa, or the Indian subcontinent.

To compare regions from blinking lights on Google's switch board is not to compare civilizations, and to single out a lagging Muslim region when there are many lagging non-Muslim regions is just plain dishonest.

To make the comparison, we need not forget the war and occupations a people have experienced. Besides touting Arab development report, we would do well to look at UN's "millennium indicators" of material well being. For instance countries with the worst infant mortality rates; nutrition patterns, poverty figures and worst sanitation practices or either non-Muslim or occupied by non-Muslims.[8]

All Muslim societies are compared to the so-called "open-societies" as if sustaining tyranny is a fundamental principle of Islam, not the US establishment. The anti-Islam bigots forget the recent past of Haiti, Greece, Chile, Brazil, Argentina, Paraguay, El Salvador, Guatemala, South Africa, Peru, Ethiopia, and many only slightly less vicious non-Muslim repressive regimes — most of them supported by the US.

Muslims' failure in science, technology and other fields is not the failure of Islam. Their strange mental disease results from the hypocrisy of proclaiming to be Muslims and, at the same time, distancing themselves from practicing Islam. Now Muslims have diagnosed their problem and they are struggling to overcome their disease.

This is where the Western warriors come in to push them back into mental darkness through what they call the "war of ideas." This is a disservice not only to Muslims but Americans and Europeans whose blood and money are the main sources for sustaining the war on Islam.

Americans need to come out of the influence of the pleasing and powerful lullaby of the advocates of war. They want a war in every conceivable form. Their war infected mentality can be judged from the fact that they do not mention debate, discussion or dialogues over ideas. They out rightly suggest war.

It should be enough to show that the war is not for ideas, it is only for eliminating the potential of an alternative to globalization of tyranny **(The End)**

منتخب تحریکی نظم

قافلے ٹھیرے نہ قدموں کی صدا ٹھیری ہے ـــــ!

(نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں۔ یہ 1953ء کی بات ہے جب ملک خصوصاً پنجاب میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے لئے زبردست تحریک چلی۔ لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کو "قادیانی مسئلہ" نامی پمفلٹ لکھنے پر مارشل لاء کورٹ نے سزائے موت سنا دی جسے بعد میں ملک اور بیرون ملک سے شدید احتجاج کے بعد عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا ـــــ سزائے موت سنائے جانے پر عرش بھوپالی نے مندرجہ ذیل نظم لکھی)

تختۂ دار محبت کی سزا ٹھیری ہے — جان لینا میرے قاتل کی ادا ٹھیری ہے
ساتھیو کب میرے گلشن کی کھلیں گی کلیاں — کچھ بتاؤ تو کہاں بادِ صبا ٹھیری ہے
راہ دشوار' بحر دور' گھنی شب لیکن — قافلے ٹھیرے نہ قدموں کی صدا ٹھیری ہے
رنگِ گل کا ہے سلیقہ نہ بہاروں کا شعور — ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھیری ہے
مے کشو! ٹوٹ پڑو' چھین لو ساقی سے ایاغ — کب سے میخانہ پہ رنگین گھٹا ٹھیری ہے
رازِ صیاد کیا سارے چمن نے افشاء — کیا قیامت ہے کہ بلبل کی خطا ٹھیری ہے
کتنے جاں باز ہیں حق گوئی کے مجرم' لیکن
قابلِ داد تری طرزِ ادا ٹھیری ہے

(انتخاب: قاضی عبدالقادر)

ضرورت رشتہ

☆28 سالہ نوجوان' ایم اے اسلامیات' MBA (زیر تربیت)' لاہور میں نجی ملازمت' کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: اشتیاق احمد' موبائل: 0320-4833270,0300-8440314

☆☆☆

☆ضلع سرگودھا کی دو بہنیں عمر 18 اور 20 سال' تعلیم ایف۔ اے کے لئے برسرروزگار ترجیحاً راجپوت فیملی کے لڑکوں کے رشتے درکار ہیں۔
برائے رابطہ: تصور دانش' فون: 5856188(042) موبائل: 0300-4250174

☆☆☆

☆سید خاندان کی خوبصورت' خوب سیرت' دراز قد' 24 سالہ بچی' تعلیم ایم۔ اے انگلش کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ برسرِ روزگار' ہم پلہ ترجیحاً سید خاندان کے لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: ایس ایم حسین فون: 0432-261403

☆☆☆

☆35 سالہ خلع یافتہ' وفاق المدارس سے عالمیہ کی سند' لاہور کی رہائشی خاتون کیلئے موزوں رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: سردار اعوان 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور فون: 5869501-03(042)

ضرورت خاتون پرنسپل

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر انتظام طوبیٰ گرلز کالج (برائے انٹرمیڈیٹ و ڈگری کلاسز) واقع ٹاؤن شپ لاہور میں پرنسپل کی اسامی پر درخواستیں مطلوب ہیں۔ کالج کی سطح پر تدریسی اور انتظامی تجربہ رکھنے والی پختہ دینی مزاج کی خواتین اپنی درخواستیں تفصیلی بایو ڈیٹا کے ساتھ 15 جون 2004ء تک طوبیٰ گرلز کالج' 78 سیکٹر اے ون ٹاؤن شپ لاہور کے پتے پر ارسال کریں۔

Abid Ullah Jan
(e-mail: Abidjan@tanzeem.org)

In America: The Enemies Within

Part - VI

Evidence for the argument that the promoters of a war on Islam in the name of war on "terrorism" and "ideas" have no ideas except conjecture, lies in a lead paragraph of Thomas Friedman's unusual 6-part outburst on this subject. [1]

In his view the root cause of anger and humiliation among Muslim youth is "unemployment." "A job," he believes, "gives people dignity and hope." It might be a great idea to Frums and Friedmans to justify wars and occupations. For people with cool heads, however, it is not even conjecture.

It is a cover so transparent to hide years of US-sponsored occupations, repressions and never ending hypocrisy. Under-development and lack of employment opportunities are but just two symptoms of the way the submissive-to-the-US rulers choose to keep their people on sidelines: isolated and deprived.

If oil is the driving force behind sustaining the pro-US tyrannies in Saudi Arabia, Kuwait and other Gulf states; survival of Israel has been the main factor behind the never ending repression in Egypt, and fear of Iran and Soviet Union behind sustaining Baathists in Iraq and dictators in Pakistan. So, most of the Muslim world suffers from repression for American and Israeli concerns.

Blaming everything on joblessness is a great idea in the sense only that it exonerates culprits in Washington from the responsibility of sustaining repressive regimes in power for so long.

The advocates of war rive a reference to "repressive society" in the context of "fewest opportunities for women and youth" simply because they cannot blame the existence of these regimes on Islam. It is an attempt to subtly link underdevelopment with Islam — again absolving Muslim sycophant rulers and their sponsors of their guilt. The world, however, knows that there is not even a single country in the world that could be rightly described as Islamic. Who in the world would believe Friedman's conjecture that "suicide bombers" are the result of exploding population and rising unemployment rates. To justify his sweeping statement, he argues: "You don't run into a lot of South Koreans who want to be martyrs."

Just two days before Friedman's flawed analysis, ILO reported that global joblessness hit record 186 million in 2003 and the hardest hit regions were China and East Asia.[2] Total population of Middle East, including Israel is 326 million, just 2.81 percent of the world population. It means out of the 186 million unemployed only around 5.2 million belong to Middle East. According to a survey by Palestinian Centre for Public Opinion Studies in Beit Sahur, close to 80 per cent of respondents condoned suicide bomb attacks against Israelis,[3] whereas, unemployment rate was 18 percent in 1995 and stands at 30 percent today.[4]

Is it really unemployment that makes a school going Palestinian youth rush eagerly to his death? The advocates of war might switch their argument to the promise of 70 virgins in paradise. But what turns a 27-year-old professional, working woman into a "suicide" bomber for whom there is a job in this world and no promise of 70 virgins in the hereafter?

In a joint paper with Jitka Maleckova, a Middle East specialist at Charles University in Prague, Krueger presents a statistical analysis of 129 Hezbollah militants killed during the late 1980s and early 1990s. These fighters, it turns out, were more likely to be above the poverty line or to have secondary or higher education than the average person in Lebanon.

The authors also analyzed opinion polls in Palestine to see whether the poor and uneducated are particularly likely to support attacks against Israelis. They found that they were not.[5] In 1980 an Egyptian social scientist interviewed jailed "Islamist extremists" and found that most were educated and upwardly mobile. In last winter's edition of the National Interest, Daniel Pipes cites a stack of evidence showing that "Islamic militants" are drawn mainly from the region's middle class.

To the contrary, the Chief warrior of "ideas," Friedman, tells us that Muslim "forces of moderation, can only emerge from a growing middle class."[6]

The answer, like so much in this catastrophe, has nothing to do with unemployment or poverty or class. It has everything to do with dignity, or the need to avenge the abuse of dignity, degraded each and every day under direct and indirect US occupation.

A Jewish Professor, Michael Neumann of Trent University, Canada, concludes one of his articles on "suicide" bombing: "If peoples have any right of self-preservation, this is justified. Just as Americans love to do, the Palestinians are 'sending a message': you really don't want to keep screwing with us. We will do anything to stop you."[7]

The same is true for every people pushed against the wall for extinguishing their identity. Kirk Russell rightly pointed out in his Enemies of Permanent Things that every living thing "prefers even death, as an individual, to extinction as a species by absorption into other species."

That is what we observe in other Muslim countries where puppet regimes are condemning "extremism." To gain Western sympathies, they refer to Islam as if it is the root of poverty, backwardness and all extremism. The issue isn't whether Muslim societies have failed to meet certain standards, but whether their failures are due to embracing the fundamentals of Islam, or there are people who are worse off despite being non-Muslims. The advocates of war are comparing "Islamic" Middle East with Western Europe and US. After a breathless summary of daily life in the Arab world, Frum and Perle declare in their book, "This fetid environment nourishes the most venomous vermin in the Middle Eastern swamp."

First, we must note that it is not Islamic Middle East. It is just Muslim. Second, such comparisons lead only to unsurprising truth that the West, which actively colonized or occupied the Middle East for many years, did better. We would

Vol: 13 Regd. No. LRL -50 No. 21

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: Abidjan@tanzeem.org)

In America: The Enemies Within

Part - V

To exonerate the U.S. from its decades of interventions, human rights abuses, murderous sanctions and occupations, the minds behind the war campaign are now trying to sustain this barbarism in the name of "fighting the war against the Islamist totalitarianism threatening open societies." [1]

Unlike the secular totalitarians, none of the so-labeled "Islamists" has vowed to bring a regime change in Washington. Did they say they want to change the lifestyle in Western society by force? In fact, they cannot.

The reason is simple. As long as their own societies remain occupied, corrupt and blind followers of the material comforts alone; as long as they don't have a model to present to the West, no sane "Islamist" can even imagine to begin with reforming, let alone threatening, Western societies.

James Bovard concludes: "There is no evidence that Islamic governments or movements threaten the survival of America. America's survival is far more likely to be threatened by launching an endless series of religiously motivated unnecessary wars."[2]

In fact, the real friction begins when those who want to throw out corrupt dictators and reform Muslim societies are demonized as Islamists. The war lobby realizes that the US-backed repressive regimes have outlived their utility, but the much needed reforms should not be Islamic.

Warriors of the clash with Islam also know that if Muslim societies are given opportunity to live as they may like, they will prefer to live by Islam rather than the US supported Baathism, monarchism, sheikhism or secularism.

The crisis deepens, when the warriors against Islam have to promote democracy as well as tactfully holding Muslims from expressing their will in free elections. Unable to live with too many Algerias, they have decided to live with dictators like Mubarak and Musharraf for as long as possible; replace them with Karzai kind of puppets when necessary; and impose occupation councils until the advisors for a war on Islam make sure that a kind of constitution and system is in place that will never allow Muslims to live by Islam.

"Islamists" do not have ICBMs. They cannot occupy or transform Western societies through suicide bombings as Friedman would make us believe. The only way they can threaten the so-called open societies is to come up with an alternative model of a just order.

As long as the promoters of a clash with Islam can deny Muslims this opportunity by promoting divisions among them, they can live safe and fat at the backs and bucks of a perfectly duped public.

The public is asked to make the "war of ideas" the central issue of upcoming elections in the US.[3] What are the ideas, is unclear. What is clear is the resolve that they do not want to see emergence of an Islamic State, period.

Once warriors of the Frum and Friedman club succeed in their campaign that the "war on terrorism" and subsequent occupations are nothing but a "war of ideas," the world won't see so many anti-war protester in the Western street the next time their country go on a killing spree for occupation. The reason: it would no more be a war based on lies about weapons of mass destruction. It would be a war based on lies about the ideas of mass destruction.

Ideas are not found or destroyed in plants and bunkers. No UN team or David Kay would then be able to expose the new generation of lies about ideas of mass destruction. The war would thus go on till completing globalization of tyranny because there would be no mechanism to confirm that the ideas they hate are now dead.

If Frum Friedman & Company are genuinely interested in a war of ideas, let them propose a moratorium on the use of physical force for making an argument. Let them recall their troops and ground their B-52s. Let us see the power of their ideas without the support of Tom cruises. Let us see their power of converting conjecture into "ideas" and ideas into "terrorist philosophies" without the use of daisy cutter and other banned weapons.

What is presented as a threat and anger of Islamists is nothing but a reaction to the deliberate American effort to deny a people their right to real reform. Perle and Pipes are presenting, what Naomi Klein calls "appointocracy," as democracy and occupation as liberation.[4]

It is absolutely not the gut middle-American feeling that there should be a war to donfront the overblown "Islamist" threat. This war is sold to public on the basis of exploited feeling after 9/11 and some vague definition of terrorism. All this is now being transformed to a "war of ideas" to exonerate the establishment and specifically steer the war towards undermining the very way of life prescribed by Islam.

Friedman calls it a "smarter approach than the Bush's team" which has failed in properly mixing the fear of terrorism with the still under-construction-threat of the Islamic way of life.

The intolerant advocates of war are seriously struggling to "build a national consensus for what's going to be a long cold-war-like struggle" against those who are working for establishing an Islamic model. They have yet to prove how an Islamic way of life undermines interests of the non-Muslim states.

The advocates of war believe that with the strategy of preemptive occupations, the US will "address the misgovernance and pervasive sense of humiliation in the Muslim world." An analysis of the ground realities contradicts this conjecture.

You cannot address misgovernance of a butcher by replacing him with a band of butchers. Tyranny replaced by tyranny remains a tyranny. To assess the resultant feelings of humiliation, one only needs to ask those who prefer to take their lives rather than living under such tyrannies.

In short, bombing and killings is no argument. "Smashing someone in the face" as proposed by Friedman is not a way to spread ideas. He believes smashing Saddam and Taliban has "sent message to every government in the area." Other than Iran, we don't see any government in the areas that is not already on its knees before Washington. Most of them are dependent on the US protective umbrella.

The target of terrorist approach to inculcating fear is the credible alternative to both the US sponsored repressive regimes and the "free" lifestyle that has taken upon itself the killing spree to preserve itself.

Friedman admits two realities but explains none. He admits that the murderous occupations have intensified anti-US sentiments, which he thinks are cancelled out by the second reality: the dialogue among Muslims "about the necessity of reform." The fact is that the so-called reforms are not only meaningless but also the second source of anti-Americanism.

Those who incubate intolerance towards Islam are desperately struggling to bring democrats, republicans and everyone else on the same boat, just as they were at the same wavelength against communism. Friedman says: "Lord knows we need it." The world, however, knows that the resultant globalization of barbarism will be in no ones interest. Imposing a way of life on 1.3 billion people in the name of ideas is no joke